فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین (القرآن)

محدثین کے ہاں فقہ اور فقہاء کی اہمیت

تقریر

مولانا سید سلمان حسینی ندوی

(استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مرتب

سید عتیق حسن قاسم الحسینی

(استاد المدرسة الاسلامیة للتربیة والتعلیم، کراچی

تقریظ

حضرت مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم

(استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب:	محدثین کے ہاں فقہ اور فقہاء کی اہمیت
تقریر :	مولانا سید سلمان حسینی ندوی
ترتیب:	مولانا سید عتیق حسن قاسم الحسینی صاحب
تعداد صفحات :	٦٤
تعداد :	١٠٠٠
ناشر:	اسلامک ایجوکیشن بکس پبلشرز
قیمت:	٢٥

فہرست

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد اللہ المتوحد بجلال ذاته المتفرد بکمال صفاته الذی انزل القرآن بابلغ کلماته والصلوة والسلام الاتمان الاکملان علی سید الانس والجان افصح بنی عدنان وابلغ بنی قحطان وعلی آله وأصحابه قادة الا نام وأولیائه وعلمائه وفقهائه البررة الکرام اما بعد :

اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت کیلئے اپنی آخری کتاب قرآن کریم اپنے آخری نبی محمد عربی ﷺ پر نازل فرمائی اور اس کتاب محکم کی حفاظت کی ذمہ داری علماء امت پر نہیں ڈالی بلکہ حفاظت کی یہ ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لی، اس کتاب کو اللہ تعالی نے محکم ومحفوظ اور غیر محرف اور غیر منسوخ بنا دیا، قواعد اسلامیہ اور شرائع دینیہ کے ثبوت کے لئے اس کتاب کی حیثیت ''متن'' کی ہے، اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مقدسہ کی حیثیت اس کی شرح کی ہے۔

ان دونوں سے مستنبط ومستخرج اسلامی فقہ ان دونوں کے لئے دفعات اور دستور کی حیثیت رکھتا ہے، علم وفہم اور معرفت وفراست کی نگاہ سے اگر دیکھا جائے، تو جس طرح متن قرآن کے لئے شرح احادیث کی ضرورت ہے، اسی طرح دونوں کے دقیق ارشادات اور گہرے اشارات سے استفادہ کے لئے فقہ اسلامی کے واضح دفعات کی بھی ضرورت ہے۔

اگر قرآن عظیم کے ''متن'' سے احادیث کی شرح کو الگ کیا گیا تو یہ متن بلا شرح، مجمل ہو کر رہ جائے گا اور اگر اس متن اور شرح سے اس کی دستوری وقانونی دفعات کو الگ کیا گیا تو یہ قانون بلا دستوری دفعات کے رہ جائے گا پھر ہر صاحب خواہش اس متن وشرح سے اپنی مرضی کے مطابق دفعات بنانے کی کوشش کریگا اور خواہش نفس کی تاریکیوں میں

غوطے کھاتا پھرے گا۔

مثلاً قرآن وحدیث میں بڑے پیمانے پر اوامر ونواہی موجود ہیں، اب ہر امر اور ہر نہی کو اس کے اپنے اپنے مقام پر رکھ کر عمل کرنے کے لئے امت کے سامنے پیش کرنا کتنا مشکل کام ہے! ایک ہی صیغۂ امر کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ ایک حکم دیتا ہے وہ فرض ہو جاتا ہے اور اسی طرح صیغۂ امر کے ساتھ دوسرا حکم دیتا ہے تو وہ مباح یا مستحب یا سنت اور واجب سمجھا جاتا ہے مسلمان ''اقیموا الصلوۃ واٰتوا الزکوۃ (۱)'' امر ہے، مثلاً اس حکم کو فرض سمجھتے ہیں اور ''اذا حللتم فاصطادوا (۲)'' میں ''فاصطادوا'' کے امر کو نہ فرض سمجھتے ہیں نہ واجب، اور نہ مستحب، یہی صورت حال نبی کریم ﷺ کی احادیث کی بھی ہے۔ اب امر اور نہی کی اس حیثیت کا تعین آخر کس نے کیا ہے یا کون کرے گا؟ مجبوری کا یہی وہ مقام ہے جس نے امت کے علماء کرام اور عوام کو ائمہ اربعہ کی تقلید پر مجبور کر دیا ہے۔

اسی طرح احادیث مقدسہ کے ارشادات کو لیجئے کہ بعض دفعہ ایک ہی مسئلہ سے متعلق مختلف اور متضاد چند ارشادات سامنے آتے ہیں ان ارشادات کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے اور تطبیق دینے کا کام آخر کس نے کیا یا کون کریگا؟ دور صحابہ میں نشر اور ابلاغ کے ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے اس وقت مثلاً کسی صحابی نے ایک حکم نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سن لیا اور جا کر کسی صحراء اور دیہات یا دور دراز کسی علاقہ میں بیٹھ کر سالہا سال تک وہ اس پر عمل کرتے رہے پیچھے وہ حکم منسوخ ہو گیا یا اس میں وحی کے ذریعہ سے کچھ تبدیلی آگئی، مگر وہ صحابی اسپر عمل کرتے رہے بعد میں جب ذرائع ابلاغ ومواصلات نے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا اور تمام احادیث ایک جگہ جمع ہو گئیں تو اس میں

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۰ (۲) سورۃ المائدۃ آیت ۲

ناسخ ومنسوخ، تقدیم حکم اور تاخیر حکم کا قضیہ پیدا ہوگیا، حکم کی تخصیص وتعمیم اور خصوصیات وعمومات کا مسئلہ پیش آگیا۔

آخر اس کا حل کیا ہوگا اور اس مشکل کو کون حل کرے گا؟ یہاں بھی مجبوری کا وہ مقام پیدا ہوگیا جس نے علماء کرام کو تقلید پر مجبور کردیا۔

الحمد اللہ اساطین امت اور مجتہدین ملت نے امت کو اس مشکل سے نکالا، دن رات کی محنتوں سے اور اللہ تعالی کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے اور اس کی خصوصی نصرت ومدد سے انہوں نے امت کی اس مشکل کو حل کردیا اور عمل کرنے کے لئے امت کے سامنے شریعت کی شاہراہ اعظم کے ہر خطرناک موڑ پر تنبیہ کے لئے واضح کتبہ آویزاں کردیا تاکہ کوئی بھی گزرنے والا ہر خطرہ سے محفوظ رہے، اسی حقیقت کے پیش نظر اہل علم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ''ان اللا مذهبية قنطرة الالحاد''

اللہ تعالی نے ان مجتہدین کو فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور ان کو احادیث مقدسہ کا سب سے زیادہ سمجھنے والا بنایا تھا وہ احادیث کو پانے، اپنے مقام پر رکھنے اور پرکھنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔

امام ترمذی کسی حدیث کے مطلب کو اس وقت تک بیان نہیں فرماتے ہیں جب تک اس پر فقہاء کرام کے سمجھنے سمجھانے اور عملی فیصلہ کی مہر نہیں لگ جاتی، ترمذی میں ایک مقام پر وہ فرماتے ہیں'' وكذلك قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحديث''

(ترمذی جلد اول ص ۱۹۳)

مشہور محدث اور مشہور امام جرح وتعدیل حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کھلے الفاظ میں فقہاء کرام کو صرف بزرگی کے اعتبار سے نہیں بلکہ علمی مقام اور امت کے لئے اتھارٹی کی حیثیت سے ان شاندار الفاظ میں یاد کرتے ہیں ''ايها الفقهاء انتم الاطباء ونحن

الصیادلة(۱)" اے امت کے مجتہدین فقہاء کرام! تم امت کے طبیب ہو اور ہم تو صرف جڑی بوٹیاں رکھنے والے عطار ہیں یعنی ہم صرف احادیث کو محفوظ رکھتے ہیں اور ان احادیث پر عمل کرنے کے لئے نسخے تم تیار کرتے ہو۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہاء کرام احادیث کو نہیں سمجھتے تھے یہ ان لوگوں کی بہت بڑی علمی غلطی ہے۔ فقہ تو خود احادیث سے مستنبط قواعد وضوابط کا نام ہے۔ پہلے حدیث دل ودماغ میں آتی ہے پھر فقہ آتی ہے، بعض لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم حدیث کی طرف منسوب ہیں لہذا ہم اہل حدیث ہیں اور ہمارے سوا سب نا اہل حدیث ہیں، حالانکہ خیر القرون کے دور کے بعد جب یہ طبقہ پیدا ہوا تو ان کا تعارف تمام کتابوں میں اہل ظواہر سے کیا گیا، اہل حدیث کا لفظ تو برصغیر پر انگریز کے قبضہ کے بعد ایک سمجھوتہ کے تحت ایک طبقہ کیلئے متعارف ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی نام کی کتاب میں سب تاریخی حقائق موجود ہیں جو نہ تو جھٹلائے جاسکتے ہیں اور نہ چھپائے جاسکتے ہیں۔ وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔

امام ترمذی جگہ جگہ لفظ "اہل حدیث" استعمال فرماتے ہیں بعض خوش فہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری حوصلہ افزائی ہو رہی ہے حالانکہ امام ترمذی اہل حدیث سے محدثین کی جماعت مراد لیتے ہیں جن میں مجتہدین فقہاء بھی ہیں اور عام محدثین بھی ہیں کسی خاص طبقہ کا نام مراد نہیں ہے۔

چنانچہ ایک مقام پر وہ امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن مدینیؒ کو اہل حدیث کے نام سے یوں یاد کرتے ہیں " **عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف فی الحدیث ضعفه احمد بن حنبل وعلی بن المدینی وغیرهما من اهل الحدیث** " (ترمذی جلد اول ۱۳۸)

---

(۱) دیکھئے جامع بیان العلم وفضلہ از علامہ ابن عبدالبر ۲/۱۳۱

بہر حال کوئی شخص اہل حدیث ہو جاتا ہے، یا سلفی بنتا ہے، یا غرباء اہل حدیث میں رہتا ہے، یا مقلد بنتا ہے، یا غیر مقلد ہو جاتا ہے، وہ اپنے لئے اپنا راستہ خود متعین کرتا ہے، اور وہ اپنے مستقبل کی نجات اور کامیابی یا ناکامی کے بارے میں بہتر سوچ سکتا ہے، اس میں کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا ہے لیکن عرض اتنا کرنا ہے کہ اس اختلاف رائے کی بناء پر شرعی حدود اور اسلامی سرحدیں پامال تو نہ کریں اور امت کے مقتدا اور اکابر فقہاء کو تنقید کا نشانہ تو نہ بنائیں تعجب اور افسوس تو اس پر ہے کہ ایک عام آزاد خیال آدمی اٹھتا ہے اور تقلید کرنے یا نہ کرنے کی آڑ میں بلا روک ٹوک فقہاء کرام اور مجتہدین اسلام بلکہ صحابہ کرام تک کو تنقید و تغلیط کا نشانہ بناتا ہے، ائمہ اربعہ کے استنباطی اجتہاد کو دین اسلام سے الگ دین قرار دیتا ہے، حضرت عمر فاروقؓ کے بیس رکعات تراویح کی ترویج کے فیصلے کو بدعت کہتا ہے، بیک وقت تین طلاق واقع ہونے کے عمر فاروقؓ کے دور کے عام صحابہ کے اجماعی فیصلہ کو مسترد کرتا ہے، حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد مبارک میں جمعہ کی اذان سے پہلے ایک اور اذان کے اجماعی فیصلہ کو ان حضرات کی غلطی قرار دیتا ہے، تقلید کو شرک کہہ کر بڑے بڑے علماء اور فقہاء کو گمراہ قرار دیتا ہے، مسجد نبوی میں بیٹھ کر صدیق اکبرؓ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ "لا نقلد احدا ولا أبابكر" ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے حتی کہ ابوبکر کی بھی نہیں۔ اگر یہ حضرات ان بے جا تجاوزات سے باز آجائیں تو محض علمی اختلافات تو ہر زمانہ میں ہوئے ہیں اور ان کو برداشت کیا جاتا رہا ہے۔

آخر ذاتی تنقید اور ذاتی برائی کرنے سے کیا حاصل ہوگا، ہاں برائی کرنے والا گناہ گار ہوگا اور دونوں جہانوں میں شرمسار ہوگا خصوصا ایسے علماء و فقہاء اور ایسے اولیاء و صوفیاء کے بارے میں جو کئی صدیاں قبل انشاء اللہ جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں۔

بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا این جاست

اللہ تعالی کے ''فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (۱) ''فرمان میں بڑے علماء کو علم میں مرجع خلائق بنا کر مخلوق خدا کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے جو ایک قسم کی تقلید ہے۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو علم کا منبع قرار دے کر فرمایا کہ جب تک یہ بحر ذخار تم میں موجود ہو تم ہم سے مسئلہ نہ پوچھو ''لا تسئلونا وهذا الحبر فیکم ''(ابوداؤد جلد-۱-ص-۲۸۱)

یہ بھی تقلید کا حصہ ہے کہ سب سے بڑے عالم ہی کی طرف رجوع کیا کرو اور یہ فیصلہ صحابی کا ہے۔

فہم وعرفان کے درجۂ اجتہاد و استنباط کا اظہار جب حضرت معاذؓ نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے کیا کہ ''اجتهد برأئی (۲) '' تو آنحضرت ﷺ خوش ہوئے اور اللہ تعالی کا شکر ادا کیا۔

حضرت علیؓ نے سوال پوچھنے والوں کے جواب میں واضح اعلان فرمایا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اللہ تعالی کی طرف سے عطا شدہ فہم اور ایک صحیفہ کے سوا کچھ نہیں اور نہ کوئی خصوصی حکم ہے، سوچنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ یہ عطا شدہ فہم جس کا ذکر حضرت علیؓ نے کیا، استنباط و اجتہاد کے علاوہ آخر کیا چیز ہے، علامہ باقلانیؒ نے اعجاز القرآن میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک فرمان نقل کیا ہے جس میں حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں سے فرمایا ہے کہ: اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں کوئی واضح حکم نہیں

(۱) سورۃ النحل آیت ۴۳ (۲) دیکھئے سنن ابوداؤد۔ کتاب الاقضیہ حدیث نمبر ۳۵۹۲

ملتا ہے تو پھر عقل وفہم سے مدد لو، یہ سب کچھ ارشارات اس مرحلہ کے جواز اور ثبوت کی طرف ہیں جو اجتہاد ومجتہدین کے ساتھ خاص ہیں، اور وہی حضرات استنباط واجتہاد میں مرجع خلائق بن گئے ہیں اور ’’ فاعتبروا یا اولی الأبصار (۱) ‘‘آیت، ان حضرات کی بھرپور تائید کرتی ہے۔

الغرض پوری امت اور چوٹی کے علماء وفقہاء کسی اندھے اور تاریک کنوئیں میں نہیں گرے ہیں بلکہ اجتہاد وتقلید کا یہ سلسلہ مستند طور پر قدیم زمانہ سے چلا آیا ہے۔

آج کل ایک بار پھر ہندوستان میں کچھ ناعاقبت اندیشوں نے بزرگان دین اور فقہاء ومجتہدین کے خلاف زبان درازی شروع کر رکھی ہے، اس تناؤ کو کم کرنے کیلئے اور صحیح صورت حال کو واضح کرنے کی غرض سے ہندوستان کے علماء نے بنگلور میں فقہ اور فقہاء کی اہمیت سے متعلق ایک جلسہ منعقد کیا۔ الحمدللہ ندوۃ العلماء کے ذمہ تقلید پر کھل کر بیان دینے کا جو قرض باقی تھا انہوں نے نہایت احسن طریقہ سے اسے ادا کر دیا اور حضرت مولانا سید محمد سلمان الحسینی ندوی دامت برکاتہم نے اس علمی محفل میں اپنا ایک دقیق وعمیق اور ایک وقیع ورفیع علمی مقالہ (۲) فقہ وفقاہت اور اجتہاد ومجتہدین اور حدیث وسنت اور اسکے فہم وفراست سے متعلق پیش فرمایا ’’فجزاہ اللہ احسن الجزاء ‘‘ یہ مقالہ پھیلتا گیا اور مقبول ہوتا گیا یہاں تک کہ بذریعہ کیسٹ علم کا یہ سرمایہ کراچی پاکستان پہنچ گیا، ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فاضل عالم اور جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے مایہ ناز نائب امام مولانا عتیق حسن صاحب دامت برکاتہم نے اس مقالہ کو افادۂ عامہ کے پیش نظر کیسٹ سے لے کر کتابی شکل میں مرتب فرما کر ’’ محدثین کے ہاں فقہ اور فقہاء کی اہمیت ‘‘

---

(۱) سورۃ الحشر آیت ۲

(۲) یہ مقالہ نہ تھا بلکہ ایک تقریر تھی جس کو کیسٹ سے مولوی عتیق نے مرتب کر کے شائع کیا ہے

کے نام سے شائع کیا۔

اللہ تعالی اس مقالہ کے اصل مصنف اور پھر اس کے مرتب اور پھر اس کے شائع کرنے والوں کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور عام وخاص مسلمانوں کے لئے اسکو ہدایت کا ذریعہ بنائے اور مقالہ کو قبولیت عامہ وخاصہ عطا فرمائے۔

اور بندہ کی طرف سے مخمل کے غالیچے میں ٹاٹ کے اس پیوند کو بھی قبول فرمائے۔

آمین یا رب العالمین وصلی اللہ علی نبیہ الکریم

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۰ جولائی ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأزواجه وأهل بيته وأصحابه ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الى يوم الدين. أما بعد!

فقد قال الله تبارك وتعالى: يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم..... الخ.

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يحمل هذا العلم من كل خلف عدو له ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين (۱) (رواه مسلم)

اس دنیا کو جب اللہ تعالی نے وجود بخشا تو اس میں ایک ایسی مخلوق کو بھی وجود عطا فرمایا جو اللہ کی خلافت کا حق ادا کرے اور اس کے نظام کو ساری دنیا میں غالب رکھے ،اس خلافت کا حق دار اللہ نے انسان کو بنایا، پھر اللہ نے ساتھ ہی ساتھ اس میں خیر وشر دونوں ہی کا مادہ رکھا لیکن اس میں اس کی بھی صلاحیت رکھی کہ وہ خیر وشر کو پہچاننے اور اپنے نفع اور نقصان سے باخبر رہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فألهمها فجورها وتقواها، قد أفلح من زكاها، وقد خاب من دساها﴾

یعنی: پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیز گاری اختیار کرنے کی سمجھ دی، بلاشبہ جس نے (اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ

---

(۱) اس حدیث کی تخریج ابن عدی نے الکامل (۱/۱۴۵) میں، ابن عبد البر نے التمہید (۱/۵۹) میں، اور قسطلانی نے ارشاد الساری میں اور دیگر محدثین نے کی ہے، یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

(اپنے) نفس (یعنی روح) کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔ اللہ نے اس کو شتر بے مہار نہیں چھوڑا بلکہ مکلّف بنایا، مجبور محض نہیں بنایا، چونکہ انسان میں شر کو بھی رکھا اس لئے کچھ ایسے افراد بھی وجود میں آنا شروع ہوئے جنہوں نے اللہ رب العالمین کے نظام کا ہی بائیکاٹ نہیں کیا بلکہ خود اللہ کی ذات اقدس کے منکر ہوتے چلے گئے، لہذا کسی نے چاند کو پوجنا شروع کیا، کسی نے سورج کو، کسی نے ستاروں کو، کسی نے شجر وحجر کو، اور کسی نے بچھڑے اور گائے کی عبادت کو اجر وثواب کا باعث سمجھا اور انہیں زائل اور مٹ جانے والی اشیاء کو اپنا آقا اور اپنا دیوتا مانا، دوسری طرف ایک گروہ اہل حق کا رہا اور رہے گا جو مخلصین اور موحدین کا گروہ ہے جو اللہ اور اس کے مکمل نظام اور احکامات پر یقین کامل رکھتا ہے، یہ دو قسم کے گروہ ہیں جن کی پہچان اور معرفت آسان وسہل ہے اور یہ دونوں واضح ہیں۔

اہل توحید اور اہل ایمان کے لئے اللہ رب العالمین نے فرمایا:

"ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات كانت لهم جنت الفردوس نزلا، خالدين فيها لا يبغون عنها حولا".
(سورة الكهف، آيت ١٠٧)

"بیشک اہل ایمان اور نیک اعمال کرنے والے حضرات کے لئے بطور مہمان نوازی جنت کے باغات ہونگے، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے مکان بدلنا نہیں چاہیں گے"۔

اور بھی کئی مقامات پر ایمان والوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے انعامات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

دوسری طرف خاسر وناکام گروہ کے متعلق ہمیشہ ہمیشہ کی ناکامی کا بھی قرآن پاک نے صراحتا اور وضاحتا اور تفصیلا ذکر فرمایا ہے، سو اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا، الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسنون انهم صنعا، اولئك الذين كفروا بآيات ربهم ولقائه فحبطت أعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيامة وزنا، ذلك جزائهم جهنم بما كفروا واتخذوا أياتي ورسلي هزوا". (سورة الكهف، آیات ۱۰۳-۱۰۶)

''آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں کے بارے میں بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں، وہ لوگ جن کی دنیا میں کوشش برباد ہوگئی، اور وہ یہ خیال کررہے ہیں کہ وہ اچھے کام کررہے ہیں، یہ وہ لوگ ہین جنھوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، لہذا ان کے اعمال ضائع ہوگئے اور ہم ان کے لئے قیامت کے دن کوئی وزن قائم نہیں کریں گے، یہ ان کی سزا ہے جہنم، ان کے کفر کے سبب اور انہوں نے ہماری آیات اور ہمارے رسولوں کو مذاق بنایا''۔

اب چونکہ انسان میں شر کا مادہ بھی ہے اس لئے ایک تیسرا گروہ بھی ہر دور میں رہا اور وہ بھی تا قیامت رہے گا اور وہ اہل نفاق ومنافقین کا گروہ ہے جس کی پہچان بذریعہ وحی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ مبارک میں تو ممکن تھی، لیکن اب مشکل ہوگئی اسلئے کہ منافق تو ہوتا ہی وہ ہے جو اہل اسلام کے سامنے اسلام کا اظہار کرتا ہے لیکن دل میں درحقیقت کفر وشرک اور اہل کفر کی محبت رکھتا ہے اور اس کے دل میں ان کی تہذیب وتمدن اور ان کی ثقافت کی محبت گھر کی ہوئی ہوتی ہے، ایسے گروہ کا انجام بھی اللہ رب العزت نے بڑی ہی صراحت اور نہایت ہیبتناک انداز میں فرمایا ہے، ارشاد باری ہے :

"إن المنافقين في الدرك الاسفل من النار". (سورة النساء آیت ۱۴۵)

کہ منافقین جہنم کے سب سے گھٹیا اور سب سے بدتر مقام میں ہوں گے۔

تو یہ طبقہ اہل نفاق کا وہ طبقہ ہے جس نے ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے اندر رخنے ڈالے، ان میں تفریق اور خلفشار وانتشار کا سبب بنے رہے اور فتنہ پرستی گویا ان کی گھٹی میں رہی اور ان کی شریانوں میں تجری مجری الدم خون کے دورانیہ کی مانند وہ فتنے دوڑتے اور چکر لگاتے رہے۔

بہرحال ہر دور میں فتنے آتے رہے، کہیں جھوٹے مدعیان نبوت آئے، کہیں منکرین زکوۃ کا فتنہ آیا، کہیں خارجیت کا فتنہ اور کہیں فتنۂ اعتزال اور کہیں تشیع اور دیگر بدعات ومحدثات کے فتنے رہے، جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث مبارک کی غمازی کررہے ہیں: ستکون فتن کقطع اللیل المظلم (۱) ''قرب قیامت میں رات کے اندھیروں کی مانند پے بہ پے فتنے ہوں گے''، کہ جس طرح رات کی اندھیری مسلسل بڑھتی ہی رہتی ہے اسی طرح فتنوں کی کثرت ہوگی، یہ وہی دور ہے جس سے میں اور آپ گزر رہے ہیں۔ آج اسلام کی طرف نسبت رکھنے والے بعض گروہ امت کے لئے فتنہ بن گئے ہیں، ان میں ایک ایسا گروہ بھی پنپ رہا ہے اور پروان چڑھ رہا ہے جو اپنے کو سلفی کہتا ہے اور اپنی نسبت حدیث کی طرف کرتا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حدیث کو اور اسکے مجموعے کو ہم ہی سمجھے ہیں باقی سب کے سب معقولی ہیں، اہل الرائ ی ہیں اور ہم منقولی ہیں اور اہل حدیث ہیں۔

اللہ نے جہاں دیگر فتنوں سے نمٹنے کے لئے مختلف افراد کو منتخب فرمایا اور ان فتنوں سے مقابلہ کے لئے کھڑا کیا جو افراد ابتداء خطبہ میں ذکر کی گئی حدیث کے مصداق ہیں، کہ: ہر دور میں اس علم کے، اس دین کے حامل ایسے افراد ہوں گے جو عادل اور امانت دار ہیں، جو

---

(۱) دیکھئے صحیح مسلم، حدیث ۱۸۶

غلو کرنے والوں کے غلو اور ان کی تحریفات کو دین سے چھانٹتے رہیں گے، اور باطل پرستوں کے فریب اور اغلاط کو دور کرتے رہیں گے اور جاہلوں اور ان پڑھ لوگوں کی غلط تاویلات کی نفی کرتے رہیں گے، تو یہ تین کام ان منتخب افراد کے ہوں گے اور ایسے ہی افراد کو اللہ تعالی قیامت تک پیدا فرماتا رہے گا، سو اسی طرح اس نام نہاد سلفیت کے لئے اللہ نے ہندوستان میں حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ و دیگر علماء کو پیدا فرمایا اور پاکستان میں بھی حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد امین اکاڑوی کو جہلاء کی غلط تشریحات سے نمٹنے کے لئے وجود عطا فرمایا ہے جو حضرات صرف فقہ ہی نہیں بلکہ حدیث اور رجال حدیث سے متعلق ابحاث پر غیر معمولی مہارت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں۔

اب اس دور میں بھی نام نہاد سلفیت تفریق وانتشار کا سبب بنی ہوئی ہے جو فقہاء کی مدون فقہ کو جس کو بڑے بڑے محدثین امام ترمذی، امام طحاوی اور دیگر حضرات محدثین رحمھم اللہ تعالی تسلیم کرتے رہے اور اس کو اپنی آنکھوں سے لگائے رہے نام نہاد سلفی اس کے منکر ہی نہیں بلکہ فقہ کو اور ائمہ اربعہ کی تقلید واتباع کو بدعت و شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ائمہ میں خاص طور سے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے سخت نفرت کا اظہار بھی کرتے ہیں اور نہایت ہی بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، صوفیاء کرام کو نعوذ باللہ مبتدع اور مشرک سمجھتے ہیں۔

ادب کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے جس کی خود نبی کریم ﷺ نے تعلیم وترغیب فرمائی ہے، فرمایا: لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (۱)، وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم اور ان کا ادب نہ کرے۔

---

(۱) حدیث متعدد طرق سے ثابت ہے، ترمذی کی ایک روایت میں ''لم یعرف شرف کبیرنا'' ہے، حدیث نمبر۔ ۱۹۲۰

ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب ،قرآن کریم نے شعائر اللہ کی عظمت اور اس کے ادب کو بیان کیا ہے اور اس کی تعظیم اور اس کے ادب کو تقوی قرار دیا ہے تو گویا معظم اور ادب کرنے والا اللہ کے ہاں متقی ہوگا ،لیکن نام نہاد سلفیوں نے تو بے ادبی کی حد کردی کہ پیروں کو بیت اللہ شریف کی طرف پھیلانا ، مصحف کریم کو زمین پر رکھنا ، کتب احادیث کو زمین پر رکھ کر پیر پھیلا کر ان کا مطالعہ کرنا اکابر علماء کی تضحیک اور ان کا تمسخر واستہزاء اور ائمہ مجتہدین وفقہاء کرام کی توہین و تنقیص حتی کہ تکفیر بھی ان کا شیوہ ہے ، یہی وہ بے ادبیاں ہیں جن کی وجہ سے وہ دین کی حقیقت سے ناواقف ہی نہیں بلکہ اللہ رب العالمین نے ان سے عمل کو سلب فرمالیا ہے ،اب جب کہ نام نہاد سلفیہ نے فقہ اور فقہاء کرام کی توہین کا باب کھول رکھا ہے اور ان کی اہمیت کو اس دھرتی سے مٹانے کے درپے ہیں تو ہمارے علماء دیوبند نے ہندوستان میں اس کے سدباب کے لئے ایک جلسہ منعقد فرمایا جس میں ہندوستان کے اکابر علماء جلوہ افروز تھے ان مین ایک عالم جلیل جو واقعۃ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی قدس سرہ کا عملی نمونہ ہیں اور ایک محدث ، ایک فقیہ ، ایک مؤرخ ، ایک مفسر ، ایک صوفی باصفا ، اور ایک کامیاب مدرس ومعلم کا مرتبہ رکھتے ہیں ، جن کا شمار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور خود اپنے والد حضرت مولانا طاہر صاحب سہارنپوریؒ (خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ) اور حضرت مولانا سید شاہ نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم کے خلفاء میں ہوتا ہے ، اللہ کی طرف سے ان کو عربی زبان میں بھی خصوصی صلاحیت اور ملکہ حاصل ہے ، وہ حضرت مولانا سید محمد سلمان الحسینی صاحب ندوی مدظلہ ہیں وہ دیگر علماء ملت کی طرح رسول پاک ﷺ کی حدیث من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین (۱) کے مصداق ہیں کہ اللہ جس کے ساتھ خیر کثیر کا

(۱) دیکھئے بخاری ،حدیث نمبر- ۷۱

ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے، جس سمجھ کے ذریعہ وہ امت کی رہنمائی کرتا ہے اور حق کی طرف دعوت دیتا ہے۔

بہر حال مولانا دامت برکاتہم جہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحبؒ اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ ودیگر اکابر کی صحبت سے سرفراز ہوئے، اور شرف تلمذ حاصل فرمایا، وہاں وہ ان کے معتمد اور منظور نظر بھی رہے اور اس دور میں حضرت اقدس سید شاہ نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم ودیگر علماء عرب وعجم ان کے گرویدہ ہیں اور ان کا ایک مقامِ عزّ وشرف ہے۔

حضرت مولانا موصوف نے اس جلسہ میں ''فقہ اور فقہاء کی اہمیت'' سے متعلق تقریر فرمائی، یہ تقریر صرف مؤثر ہی نہیں بلکہ موضوع کے لحاظ سے نہایت مدلل ومبرہن مقالہ بن گیا، جس نے نام نہاد سلفیوں کی کم علمی اور ان کے دین میں عدم تفقہ کو خوب واضح کیا ہے۔

یہ تقریر کیسٹ کی شکل میں مجھ تک پہنچی، سننے کے بعد احقر نے اس کی اشد ضرورت محسوس کی کہ یہ کتابی شکل میں آجائے، احقر نے اس تقریر کو اوراق میں منتقل کرنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ کوشش رہی کہ مقرر موصوف کی ہر بات سپرد قلم ہو جائے، البتہ مکررات کو حذف کر دیا، نیز چونکہ اسے کتابی شکل دینا تھا اس لئے احقر نے اپنی سمجھ کے مطابق عنوانات بھی قائم کر دیئے کہ عنوان دیکھتے ہی قاری کے ذہن میں مضمون کا مغز اور اس کی کچھ نہ کچھ حقیقت واضح ہو جائے، اس کارِ خیر میں ہمارے دو دینی بھائی مولوی فاروق نیپالی اور مولوی محمد رمضان نیپالی شریک ہیں کہ مجھ تک انہوں نے کیسٹ پہنچائیں۔ اللہ ان کو علم نافع عطا فرمائے اور جس طرح مولانا موصوف کو شرف قبولیت عطا فرمایا ہے اسی طرح ان کی اس تقریر کو بھی قبولیت اور نفع کا سبب بنائے اور احقر کی

اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور ان بعض نادان سلفیہ کو ہدایت نصیب فرمائے جن کا تذکرہ اس کتاب میں اصلاح کی غرض سے کیا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جمہور کے ساتھ تعلق جوڑا جائے، اور خارجیت اور اعتزال کے راستہ سے کنارہ کش ہوا جائے، ضد اور ہٹ دھرمی سے بچا جائے، یہی باعث نجات اور سبب اجر وثواب ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه انيب

سید عتیق حسن بن حضرت مولانا سید رشید الحسن صاحب

جامع مسجد نیوٹاؤن (بنوری ٹاؤن)

بروز جمعہ ۲۵ / ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

الـحـمـد لـلـه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤ من به ونتوكل عـليـه ، ونـعـوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئآت أعمالنا، من يهده الـلـه فـلا مـضـل لـه ومـن يضلله فلا هادى له، ونشهد أن لا اله إلا الله وحـده لاشـريك لـه، ونشهـد أن سيد نا ومولانا محمدا عبده ورسوله ،صلى الله تعالى عليه وعلى اله أصحـابه وأزواجه وذرياته وأهل بيته وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا.

امـا بـعد: ﴿فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الـرحيـم . يـآ أيهـا الـذين امنو ا أطيعو ا الله وأطيعوا الرسول و أولى الأمـر مـنـكـم فـان تـنـازعتم فى شى فردوه الى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الاخر ذلك خير واحسن تأويلا﴾(١).

وقـال تـعـالى:﴿ ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبـع غيـر سبيـل الـمـؤمـنيـن نـولـه ماتولى ونصلـه جهنم وساء ت مصيرا﴾(٢).

وقـال تعالى: ﴿وكذلك جعلنا كم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا﴾(٣).

وقـال تـعـالى:﴿كـنتـم خيـرأمة أخـرجـت للـنـاس تـأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله﴾(٤).

(۱) سورۃ النساء، آیت ۵۹
(۲) سورۃ النساء، آیت ۱۱۵
(۳) سورۃ البقرۃ، آیت ۱۴۳
(۴) سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰

وقال سیدنا محمد صلی الله علیه وسلم : علیکم بستنی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنوا جذ (۱).

وقال صلی الله علیه وسلم : ان الله سیبعث علی رأس کل مائة سنة من یجدد لهذه الامة أمر دینها (۲).

وقال صلی الله علیه وسلم : لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضر هم من خذلهم الی قیام الساعة، اوکما قال صلی الله علیه وسلم(۳).

علماء کا مقام اوران کی ذمہ داری

گرامی قدر علماء ملت: آج جس اہم ترین موضوع کے تحت اس اجلاس کا انعقاد ہورہا ہے جس میں آپ تشریف لائے ہیں اورسر جوڑ کر بیٹھے ہیں اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ ایک نہایت ہی اہم اور حساس موضوع سے متعلق معیارحق سامنے لایا جائے جس سے امت کے تمام افراد کو مطلع کیا جائے، ہر انتشار اور ہر رخنہ کے دروازہ کو بند کردیا جائے، اصلاح کے اس عمل کو اختیار کیا جائے جس کی ہر دور میں امت محتاج رہتی ہے۔

آپ حضرات کا یہاں پرتشریف لانا اوراس وقت فکر مند ہوکر بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعتاً امت وسط اور خیرامت کی نمائندگی فرماتے ہیں آپ کو وراثت رسول اور نیابت رسول کا منصب سونپا گیا ہے۔

ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینا را ولا درهما ولکن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر(۴).

---

(۱) دیکھئے کتب السنن، بالخصوص سنن ابوداؤد، حدیث ۴۶۰۷ (۲) دیکھئے سنن ابوداؤد کتاب الملاحم، حدیث ۴۲۹۱ (۳) دیکھئے صحیح مسلم حدیث ۱۵۶، ۲۴۷

(۴) ابن ماجہ، حدیث ۲۲۳، حدیث حسن ہے، المقاصد الحسنہ از امام سخاوی، حدیث ۷۰۳

وقد ورد فی بعض الاحادیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (۱).

علماء امت کا مقام بہت نازک ہے اور ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے آپ جس دین متین کی نمائندگی کرتے ہیں اس کے بارے میں ہم اور آپ اور ہر خاص وعام یہ جانتا ہے کہ اس کا نام اسلام ہے :

" ان الذین عند الله الاسلام ". دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے

اور یہ بھی تقریباً ہر خاص وعام جانتا ہے کہ اس دین کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس دین کے ساتھ کسی دوسرے دین کا امتزاج، اسے چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرنا اللہ کی بارگاہ میں ہرگز قابل قبول نہیں ہے

" ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخرة من الخاسرین ".
(سورۃ آل عمران، آیت ۸۵)

جو بھی اسلام کے علاوہ کسی دین کا طلب گار ہوگا، اس سے اس کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھائے گا۔

جس دین متین کی نمائندگی آپ اور ہم کر رہے ہیں، جاہلیت کے اس ماحول میں جو چھٹی صدی مسیحی کی جاہلیت سے کمتر نہیں ہے بلکہ اس سے فزوں تر ہے، وہ جاہلیت پھر بھی محدود تھی، اس کے اثرات جزیرۃ العرب میں اور دنیا کے بعض دیگر ممالک میں محسوس کئے جاتے تھے لیکن پھر بھی وہ محدود تھے ان کے بارے میں قرآن پاک نے تصویر پیش کی تو اس طرح:

"ظهر الفساد فی البر والبحر خشکی اور تری میں بگاڑ غالب آ گیا

---

(۱) حدیث متن کے الفاظ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، لیکن معنی ثابت ہے (کشف الخفاء، عجلونی)

بما كسبت ايدى الناس ليذيقهم بعض الذى عملوا لعلهم يرجعون. (سورة الروم، آیت ۴۱)	لوگوں کے ہاتھوں کے کرتوتوں کے نتیجے میں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی (بد) عملیوں (کی سزا) کا مزہ انہیں چکھادے، شاید وہ واپس پلٹیں

تو جو فساد اس وقت چھٹی صدی عیسوی کی جاہلیت میں پیدا ہوا تھا اس پر قرآن پاک میں تبصرہ کیا گیا، تو فرمایا گیا، کہ بحر و بر میں انسانوں کے کرتوتوں کے نتیجہ میں فساد غالب آ گیا ہے، لیکن موجودہ دور میں یہ فساد اور کرپشن صرف بر و بحر میں نہیں ہے بلکہ فضا میں بھی ہے، یہ اڑ بھی رہا ہے، تیر بھی رہا ہے، رینگ بھی رہا ہے، چل اور دوڑ بھی رہا ہے، خشکی بھی اس سے بھری ہوئی ہے، اور سمندر بھی، اور فضائے بسیط بھی، ایک ایسی جاہلیت میں ظاہر ہے کہ وارثین انبیاء کو وہی کام انجام دینا ہے جسے انبیاء کرام اپنے دور کی جاہلیت سے مقابلہ کرتے ہوئے انجام دیتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اول اور آخر مذہب "الاسلام" کے نمائندہ تھے وہ اسلام کے بانی اور مؤسس نہیں تھے، اسلام کے موجد و مبتدع نہیں تھے بلکہ فی الحقیقت اس کے مکمل، متمم تھے اور جو کام انبیاء کرام نے ایک خاص منزل تک پہنچا کر چھوڑا تھا، اس کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، یعنی دین کی جس عمارت کی تعمیر انبیاء نے کی تھی اس میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی اس اینٹ کو حضور اکرم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر رکھ دیا اور عمارت مکمل ہوگئی **فانا اللبنة الاخيرة وانا خاتم النبيين.** (۱)

آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب کے سب اسلام کے علمبردار، اسلام کے نمائندہ، اسلام کے ترجمان تھے۔ خدا کا مذہب کسی دور میں تبدیل نہیں

(۱) دیکھئے صحیح البخاری حدیث ۳۵۳۵

ہوتا اس کے مذہب کا بنیادی تقاضہ، عبادت وعبدیت ہے۔

"وما خلقت الجن والانس الالیعبدون".
(سورۃ الذاریات، آیت ۵۸)

میں نے جنوں اور انسانوں کو عبدیت کے لئے پیدا کیا۔

یہی سب کا مذہب رہا ہے اور یہی وہ بندگی اور یہی وہ نظام ہے جس کا حکم خدا تعالی نے تمام انبیاء کو فرمایا تھا اور پھر آخری نبی کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس عبودیت کی تکمیل فرمائیں۔

"شرع لکم من الدین ماوصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراهیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه".
(سورۃ الشوری، آیت ۱۳)

اس نے تمہارے لئے اطاعت وعبدیت کا (وہ نظام) جاری فرمایا، جس کی وصیت اس نے نوح کو کی تھی، اور جس کا پیغام تمہیں دیا گیا، اور جس کی تلقین ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو ہم نے کی کہ اطاعت وعبدیت کے نظام کو قائم کرو، اور اس میں گروہ بندی مت کرو۔

اقامت دین کی ذمہ داری تمام انبیاء کو سونپی گئی تھی اور یہی وہ ذمہ داری تھی جو آخری نبی کو بھی سونپی گئی یہ ذمہ داری ایک ایسا قدر مشترک ہے جو سب کی کوششوں کا محور ہے اور کوئی بھی اس سے مستثنی نہیں۔

ہاں شریعت اور منہاج میں فرق رکھا گیا ہے "لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا" لیکن اقامت دین میں کوئی فرق نہیں، عبدیت اور عبودیت میں کوئی فرق نہیں "الدینونة لله والخضوع لله والا نقیاد لله" میں کوئی فرق نہیں یہ وہ بنیاد ہے جو کبھی ہلائی نہیں جا سکتی یہ مقصد تخلیق آدم اور مقصد تخلیق ذریت آدم ہے "شریعت"

اور ''منہاج ''میں ضرور فرق رکھا گیا ہے اور'' شریعت'' نام ہے قوانین کا اور'' منہاج'' نام ہے قوانین کے طریقہ کار کا، قوانین کے نفاذ کے وسائل وآلات کا، قوانین میں تبدیلی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت عظیمہ کی بنیاد پر جب چاہی فرمائی

"یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب". (سورة الرعد، آیت ۳۹)	اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جس کو چاہے باقی رکھتا ہے، اور اس کے پاس مرکزی کتاب ہے۔

جس نبی کے ذریعہ اس کی امت کو جو چاہے احکامات دیئے اور پھر جب چاہا ان میں تبدیلی فرمادی :

"ماننسخ من آیة اوننسهانأت بخیر منها أومثلها ألم تعلم أن الله علی کل شی قدیر ألم تعلم أن الله له ملك السموات والارض ومالکم من دون الله من ولی ولا نصیر". (سورة البقرة آیات ۱۰۶،۱۰۷)	ہم جو آیت بھی ہٹاتے ہیں یا بھلاتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی عطا کردیتے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔

ناسخ ،اللہ، اور شارع، اللہ، اور ماحی، اللہ، اور مثبت اللہ، اس کے ہاتھ میں سارے تصرفات ہیں، وہ جب چاہے اپنا کوئی حکم منسوخ کردے۔

بہرحال اس دین کا قافلہ آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ یہ دین اس منزل کو پہنچا جس منزل تک پہنچانے کے لئے قافلہ سالاروں کو ہمیشہ بھیجا گیا اوران کے پیچھے قافلوں کو چلایا گیا اس کی تکمیل حجۃ الوداع میں عرفات کے میدان میں ہوئی اور یوں فرمایا گیا :

﴿ **الیوم اکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** ﴾ (۱)۔ یہاں آکر ایک ایسی آخری منزل آگئی جس کے بعد شریعت کی کوئی منزل نہیں، پہاڑ کی وہ ہمالیائی چوٹی آگئی جس کے بعد اب کوئی چوٹی نہیں، اب اسی کا تحفظ، اسی کی تجدید، اسی کی تبلیغ، اسی کی دعوت، اسی کا نفاذ، اور اسی کے عطا کردہ نظام کے افہام وتفہیم اور اسی نظام کی خاطر اقتدار وسطوت اور سلطنت وشوکت اور پھر اس کا عبدیت کے لئے استعمال، بس یہی کام رہ گیا، یہی مشن رہ گیا ﴿ **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله وسنتی** ﴾ (۲) کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ یہ دو بنیادیں ہیں جن کو حضور ﷺ نے اس امت کے لئے جو خاتمۃ الامم ہے چھوڑ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ نبوت محمدی کا تعلق ساری انسانیت سے ہے اور اس امت کا تعلق بھی ساری انسانیت سے ہے، حضور اکرم ﷺ کی رسالت کی عمومیت کا کہیں یوں اعلان فرمایا گیا: ﴿ **وما ارسلناک الا رحمة للعالمین** ﴾ (۳) کہیں یوں فرمایا گیا: ﴿ **قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا** ﴾ (۴)۔

اور تمام انسانوں کو مخاطب فرما کر ان پر ذمہ داری ڈالی گئی ﴿ **یا أیها الناس اعبدوا ربکم** ﴾ یعنی ایک طرف بنیادی سرچشمے اور مصادر اور مآخذ متعین کردئے گئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور دوسری طرف ان کی عمومیت اور پوری انسانیت سے ان کے خطاب کا اعلان کردیا گیا۔

أولوالامر اور ان کی اطاعت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

اللہ ورسول کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت کا حکم بھی قرآن پاک میں

(۱) سورۃ المائدۃ
(۲) موطا امام مالک، کتاب القدر، حدیث ۳
(۳) سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷
(۴) سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۸

دیا گیا جس کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت کے تابع اور ضمنی ہے، ارشاد فرمایا گیا :

﴿یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾(۱) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور پیغمبر کی اطاعت کرو اور جو تم میں اولا الامر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

اولوا الأمر اصلاوہ لوگ ہیں جو"**اولوالدین**"ہیں،الأمر دین کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس حکم واقتدار کے معنی میں بھی جو دین کے تابع ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث صحیح ہے:

"من أحدث فی أمر نا ھذا مالیس منه فھو ردّ (۲)

یعنی من أحدث فی "دیننا" مالیس منه فھو ردّ .

اولوا الأمر کیونکہ اولوالدین ہیں،لہذا دین کے ذمہ داروں کی اطاعت کرو اور دین والوں میں سب سے زیادہ اہمیت ان کو حاصل ہے جو الخلفاء الراشدون ہیں کہ وہ اولوا الأمر کے اعلی ترین طبقہ کے نمائندہ ہیں اور اللہ تعالی نے ان کو وہ اقتدار عطا فرمایا ہے جس کا مقصد ہی ہے کہ وہ اطاعت الٰہی اور اطاعت نبوی کے نظام کو نافذ کردیں لہذا ان کو جو قوت وسلطنت دی جاتی ہے وہ اسلئے دی جاتی ہے :

﴿الذین ان مکناھم فی الارض أقاموا الصلوة وآتوا الزکاة وأمروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبة الامور﴾(۳)

جن کو ہم زمین میں اقتدار دیتے ہیں وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور تمام امور کا انجام اللہ کے دست تصرف میں ہے۔

(۱) سورۃ النساء، آیت ۵۹ (۲) صحیح البخاری، حدیث ۲۶۹۷ (۳) سورۃ الحج، آیت ۴۱

تو جن کو تمکین فی الارض عطا فرمائی جاتی ہے وہ اولوا الأمر کے اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں یعنی: **الخلفاء الراشدون، الامراء الراشدون، الحکام الراشدون، الولاۃ الراشدون** لہذا سب سے پہلے ان کی بات مانی جائے اور پھر درجہ بہ درجہ یہاں تک کہ محلّہ کے ایک مولوی کی بات بھی مانی جائے اگر واقعۃ اس کے پاس علم صحیح، علم نافع اور عمل صالح ہے اس سے متعلق فرمایا گیا: ﴿فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون﴾ (۱) جن کو سبق یاد ہے ان سے پوچھو۔

''الذکر'' سے مراد یاد رکھنا ہے، تو جو لوگ علم صحیح یاد رکھتے ہیں یعنی جن کا علم مستحضر ہے ان سے پوچھو:

﴿فاسئلوا اهل الذکر﴾ پوچھو اس سے جسے احکام شریعت یاد و مستحضر ہیں، گویا اس میں اشارہ یہ بھی ہے کہ صرف علم مستحضر نہ ہو بلکہ عمل بھی مستحضر ہو یادِ الٰہی اس کے قلب میں ہو، معرفت ربانی کا نور اس کے چہرے سے جھلکتا اور اس کی پیشانی پر درخشاں ہو، یعنی وہ اس کی بھی مثال ہو ﴿انما یخشی الله من عباده العلماء﴾ (۲) کہ اللہ کے بندوں میں اللہ کی خشیت فی الحقیقت انہیں لوگوں میں ہوتی ہے جو صاحب علم نبوی ہوتے ہیں۔

یہ سب لوگ اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے اولوا الأمر میں داخل ہیں۔ ﴿اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم﴾ (۳)، لیکن ''فان تنازعتم'' اگر آپس میں کوئی اختلاف ونزاع پیدا ہو، وہ فرعی ہو یا اصولی، اعتقادی ہو یا تعبداتی، معاملاتی ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا تنظیمی، اگر اختلاف فیما بین المسلمین پیدا ہو۔

---

(۱) سورۃ النحل، آیت ۴۳ (۲) سورۃ فاطر، آیت ۲۸ (۳) سورۃ النساء، آیت ۵۹

﴿فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول﴾(۱) والمراد بالرد الی اللہ، الرد الی کتاب اللہ عزوجل، والمراد بالرد الی الرسول، الرد الی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں یا جزیرۃ العرب کے کسی بھی خطہ میں موجود تھے تو ''رد الی الرسول'' کا یہ مطلب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لیجایا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بات پہنچائی جائے، فریقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوکر جو فیصلہ بھی دربار رسالت سے صادر ہو جائے اس کو قبول کریں بغیر اس کے کہ ان کے دل میں ادنی تنگی بھی پائی جائے۔

"فلا وربك لايومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما".
(سورۃ النساء، آیت ٦٥)

''آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے تمام تنازعات، خصومات اور جھگڑوں میں آپ کو حکم اور قاضی نہ مان لیں، پھر اس کے بعد جو بھی فیصلہ آپ کی طرف سے ہو اس کو تسلیم کریں اور دل میں اس سے متعلق ادنی تنگی بھی محسوس نہ کریں''۔

اسی میں راحت محسوس کریں، اسی میں عزت محسوس کریں، غرض کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو مأخذ بنایا گیا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ''اولوالامر'' جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے نمائندگان ہیں، ان کو بھی ایک مصدر ومأخذ کی حیثیت دی گئی یعنی ان کے فہم وتنفیذ کے لئے ان کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ کتاب اللہ ہوا میں نہیں رہتی، سنت رسول اللہ فضاء میں معلق نہیں ہے بلکہ کتاب اللہ

---

(۱) سورۃ النساء، آیت ۵۹

اور سنت رسول اللہ کے علمبردار ہیں انہی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات فرمائی گئی :

﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين﴾(۱). غير سبيل الصحابة ...غير سبيل التا بعين وغير سبيل اتباع التابعين المشهود لهم بالخير وغير سبيل الائمة المجتهدين والمحدثين الاجلة الكرام .

﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا﴾.

جو پیغمبر سے جھگڑا کرے گا، پیغمبر سے پھٹے گا اور کٹے گا جبکہ ہدایت اس کے سامنے کھل چکی ہے اور مومنین کے راستہ سے ہٹ کر کسی دوسرے راستہ کو اپنائے گا تو اس کو ہم اسی رخ پر چلائیں گے اور جہنم میں جھلسائیں گے۔ صرف اتنا نہیں کہدیا گیا کہ ''پیغمبر سے کٹے گا''، اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ بس یہی دو چیزیں ہوتیں اور ان دونوں کے حاملین اور ان کے علمبرداروں کا فہم اور اس فہم کی تطبیق مقصود نہ ہوتی اور دین کو اس کے ساتھ نہ جوڑا جاتا تو بس اتنا کہا جاتا: **﴿من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى نوله ما تولى ....﴾** الخ،، لیکن بات یہاں پر رکی نہیں، بات آگے بڑھی، اور یہ کہا گیا کہ جو پیغمبر سے کٹے گا اور پھٹے گا اور ''المئو منین'' کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اسے جانے دیں گے جدھر وہ جا رہا ہے اور اسے جہنم میں جھلسا دیں گے۔

اللہ کے ہاں جبر وقہر نہیں ہے، ''**لا اكراه فى الدين**''، وہ جبراً کسی سے نہ تو نماز پڑھواتا ہے اور نہ جبراً کسی کو سینما گھر لے جاتا ہے، اس نے انسان کو ایک گونہ اختیار عطا فرمایا ہے، تو جب وہ ''**المئو منين**'' کے راستہ کو اپنے اختیار سے چھوڑے گا تو ہم جانے دیں گے جدھر جا رہا ہے اور جھلسا دیں گے اس کو جہنم میں جو بہت بدترین ٹھکانہ ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء، آیت ۱۱۵

المؤمنین کون ہیں؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے"ما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن "، "المسلمون"(۱) جس چیز کو اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے اور کیوں نہ ایسا ہو جب کہ اللہ تعالی نے فرمایا:"﴿و كذلك جعلنا كم امة و سطا... "(۲) ہم نے تم کو ایک درمیانی اور بہترین امت بنایا ہے،" ليكون الرسول شهيدا عليكم ﴾"تاکہ پیغمبر تمہارے سامنے حق کی گواہی کو پیش کردیں : ﴿و تكونوا شهداء على الناس ﴾ اور پھر تم تمام انسانوں کے سامنے حق کی گواہی پیش کرو، پیغمبر کا کام تم تک محدود ہے کیونکہ ان کی عمر محدود ہے، وہ اٹھائے جائیں گے، وہ ہمیشہ اس دنیا میں نہیں رہیں گے : ﴿ انك ميت و انهم ميتون ﴾(۳) اے پیغمبر تمہیں بھی موت آنی ہے اور ان سب کو بھی موت آنا ہے۔

﴿وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسول أفإن مات أو قتل انقلبتم على أعقابكم﴾(۴)

محمد ایک پیغمبر ہیں اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید کردیئے جائیں تو کیا تم پھر الٹے پاؤں (جاہلیت کی طرف) پھر جاؤ گے (پھر کفر اور شرک میں چلے جاؤ گے)۔

محمد عربی ﷺ کے جسم کو دائمی نہیں بنایا گیا، آپ کے دین کو دائمی قرار دیا گیا ہے، آپ کی شریعت کو دائمی قرار دیا گیا ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو وفات نبوی پر کہنا پڑا، کہ "من كان يعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت "(۵)، جو محمد کی پوجا کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دنیا

(۱) دیکھئے مستدرک الحاکم، ج ۳، حدیث ۴۴۶۵، امام ذہبی نے حدیث کی تصحیح کی ہے
(۲) سورۃ البقرۃ، آیت ۱۴۳ (۳) سورۃ الزمر، آیت ۳۰ (۴) سورۃ آل عمران، آیت ۱۴۴
(۵) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، حدیث ۱۲۴۱

سے رخصت ہو چکے ہیں ، اور جو اللہ کی پوجا کرتا ہے اسے جاننا چاہیئے کہ اللہ حی ہے، اسے کبھی موت لاحق نہیں ہوتی ، اسی لئے تو'' المؤمنون'' اور'' المسلمون'' کو ذمہ داری سونپ دی گئی، حضور اکرم ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا'' بعثتم میسرین و لم تبعثوا معسرین ''(۱) تمہیں برپا کیا گیا ہے، تمہاری بعثت ہوئی ہے اور تمہارا کام یہ ہے کہ سہولت پیدا کرنا دشواری اور تنگی نہ پیدا کرنا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے فرمایا: حضور اکرم ﷺ کی بعثت'' بعثت مقرونہ'' تھی یعنی ایک ایسی بعثت تھی جس سے امت کی بعثت کو جوڑ دیا گیا اور شامل کر دیا گیا آپ کی بعثت آپ پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ آپ کی بعثت کا امتداد آپ کے نائبین سے ہے جو تا قیامت رہے گا، آپ کی نیابت چلتی رہے گی، آپ کی وراثت چلتی رہے گی، وحی کا سلسلہ بند ہوگیا، نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا، فرمادیا گیا کہ:'' لا نبی بعدی ''میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا وحی نازل نہیں ہوگی لیکن نیابت نبی ﷺ، اور کارِ نبوت بند نہیں ہوا۔

قرآن وسنت کی تفسیر وتشریح کے حاملین:

لیکن سنت کی تشریح، کتاب اللہ کی تفسیر، اور پھر ان دونوں کی تطبیق کا یہ سلسلہ رواں دواں رہے گا، اس سلسلہ کے حامل امت کے اہل حق ہوں گے'' **لا تزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق** ''(۲) میری امت کا ایک طبقہ حق پر مضبوطی سے قائم رہے گا۔'' **لا یضرھم من خالفھم** (۳) **وفی روایة لایضرھم من خذلھم** (۴)'' جو ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا یا جو ان کی مخالفت کے درپے ہوگا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا وہ محفوظ رہیں گے، اور یہ حفاظت اللہ کی طرف سے امت کی مجموعی طور پر ہوگی،

(۱) صحیح البخاری، باب الوضوء، حدیث ۲۲۰ (۲) صحیح مسلم، حدیث ۱۵۶
(۳) ابن ماجہ، حدیث ۱۰ (۴) ابن ماجہ، حدیث ۶

چونکہ امت مبعوث ہے جس طرح نبی مبعوث کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا یہ کہتے ہوئے:

﴿ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ﴾ (۱) اے پیغمبر آپ بات پوری پہنچا دیجئے آگر آپ بات پوری نہیں پہنچاتے ہیں تو اللہ کا پیام پہنچانے والے شمار نہیں ہوں گے اور اللہ ''الناس'' سے آپ کی حفاظت کرے گا، تو جس اللہ نے اپنے پیغمبر کے لئے یہ وعدہ فرمایا، کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے گا، اسی اللہ نے امت کے لئے بھی یہی فرمادیا ہے کہ وہ اس امت کی بھی حفاظت فرمائے گا اور یہ امت بھی قائم ودائم رہے گی، باقی رہے گی، اس کا تسلسل قائم رہے گا، وہ حق سے جڑی رہے گی، اگر اس امت کے تمام افراد نہیں تو ایک طبقہ ایسا ضرور ہوگا جو اس حق سے جڑا اور مربوط رہے گا، یہ وہی طبقہ ہے جس کو قرآن میں ''المومنین'' کہا گیا ہے: ﴿ ویتبع غیر سبیل المومنین ﴾ (۲) اور حدیث پاک میں اسے ''طائفہ'' فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں اسکو یوں بھی فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ ہر صدی میں ایسے افراد کو اٹھاتا رہے گا، برپا کرتا رہے گا، جو اس امت کے لئے دین کی تجدید کا کام انجام دیتے رہیں گے'' یہاں پر بھی یہ تشریح کہ اس سے مراد ہر صدی میں ایک مجدد ہے، راجح نہیں ہے ''من'' کا لفظ اسم موصول ہے اور طائفہ کا لفظ جو دوسری حدیث میں استعمال کیا گیا ہے اور تیسری حدیث میں جو فرمایا گیا: یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل

---

(۱) سورۃ المائدۃ، آیت ٦٧ (۲) سورۃ النساء، آیت ١١٥

الجاھلین (۱)'' کہ اس امت کے عادل امانت دار اور دیانت دار علم نبوی کے ہر دور میں حامل رہیں گے جن کے تین کام ہوں گے :

(۱) غلو کرنے والوں کے غلو اور ان کی تحریفات کو اس دین سے چھانٹتے رہیں گے۔

(۲) اور باطل پرستوں کی بدعات وغلط کاریوں اور فریب کو اس دین سے دور کرتے رہیں گے۔

(۳) اور جاہل ونادان، کم علم اور ناقص العلم لوگوں کی غلط تاویلات کی نفی کرتے رہیں گے۔

یہ ساری حدیثیں ایک دوسری کی مؤید اور شارح ہیں تجدید دین اور نفی تحریف وانتحال اور تاویل جاہلی ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیرات ہیں حضور ﷺ نے جہاں مجددین حاملین علم اور طائفہ حق کی خوشخبریاں دی ہیں وہیں آئندہ ابھرنے والے فتنوں سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے دور کا فتنہ:

سب سے پہلا اور سب سے زیادہ خطرناک فتنہ عہد صدیقی میں ظاہر ہوا، ادھر حضور ﷺ کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا دور شروع ہوا، کہ جزیرۃ العرب کی اکثریت بغاوت پر آمادہ ہوگئی ایسا لگتا تھا جزیرۃ العرب دوبارہ کفر کی گود میں چلا جائے گا، حجاز کی سرزمین کے علاوہ ہر طرف ارتداد کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں، کہیں مانعین زکوۃ پیسہ روکے کھڑے تھے کہ ہم ابوبکر کو نہیں دیں گے محمد ﷺ کو دیتے تھے ابوبکر لینے کا حق نہیں رکھتے، یہ ایک بہت کڑی آزمائش تھی جو اولین دور میں سامنے آئی، ابھی حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا ہے اور چاروں طرف آگ لگ گئی ہے۔ ابوبکر صدیقؓ اس امت کے ایک فرد ہیں، نبی کے صاحب بھی ہیں، رفیق بھی، وزیر بھی ہیں، معاون بھی اور

---

(۱) دیکھئے التمہید، ابن عبد البر (۱/۵۹) حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن ہے۔

پھر خلیفہ راشد بھی۔ انہیں اس ذمہ داری کو نبھانا ہے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ''واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ ''(۱) خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ میں جو تفریق کر رہا ہے میں اس سے جنگ کروں گا کیونکہ اللہ کا حکم ہے:

"فان تابوا واقاموا وآتوا الزکاۃ فخلوا سبیلھم". اگر یہ شرک سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تب انہیں چھوڑنا ورنہ تہ تیغ کر دینا۔

"فإن تابوا و اقاموا الصلوۃ وآتووا الزکاۃ فاخوانکم فی الدین". ''اگر یہ شرک سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تب یہ تمھارے دینی بھائی ہیں''۔

(سورۃ التوبۃ ، آیت ۱۱)

اور اگر ایسا نہ کریں تو یہ تمھارے دینی بھائی نہیں ہیں۔ خلیفہ اول ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم اگر اونٹ کی رسی بھی ان سے زکوۃ میں لیجاتی تھی تو میں اسے لے کر چھوڑوں گا، میں انہیں اس طرح نہیں چھوڑوں گا۔ وہ ابوبکر صدیق جنکی نرمی، شفقت اور جنکی دل کی رقت معروف ومشہور تھی اب ان کا حال یہ ہے! انہیں نیابت نبیؑ کا فریضہ انجام دینا ہے، کتاب اللہ اور سنت نبی ﷺ کے نفاذ کی زمہ داری انہیں سونپی گئی ہے تو ادنیٰ کمزوری، ادنیٰ جھکاؤ اور دباؤ، اپنے اندر نہیں پا رہے ہیں، اور صاف صاف یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نص قرآنی اور عمل نبوی کو نافذ کروں گا۔ فتنہ ارتداد اور منع زکوۃ کا انہوں نے بہت ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اشکال بھی پیش آیا اور جب انھوں نے اپنے اشکال کا دربار صدیقی میں ذکر کیا تو حضرت صدیق اکبرؓ کو جوش

(۱) دیکھئے صحیح البخاری کتاب، کتاب الزکاۃ، حدیث ۱۴۰۰

آ گیا اور فرمایا: ''أجبار فی الجاهلية وخوار فی الاسلام '' جاہلیت میں تم بڑے زبردست بنے ہوئے تھے اسلام میں بزدلی دکھا رہے ہو۔ ان کی طرف سے معروضہ یہ تھا کہ اس موقع پر مدینہ منورہ سے اگر آپ مرتدین کے مقابلے کے لئے لشکر روانہ کردیں گے اور اسی طرح مانعین زکوۃ سے مقابلہ کریں گے تو دارالخلافت خالی ہوجائے گا اور دشمن ہوسکتا ہے کہ دارالخلافت پر حملہ کردے، ہم اپنی خانہ جنگی میں مشغول ہوں اور کوئی بیرونی حملہ درپیش ہوجائے، تو اس وقت ابوبکر صدیقؓ نے صاف کہدیا کہ اس موجودہ خانہ جنگی سے ہمیں پہلے نمٹنا پڑے گا، ہمیں اپنے گھر کو پہلے سنبھالنا ہوگا۔

جو فتنہ پیدا کررہے تھے، قرآن پاک کی آیت کی غلط تشریح کررہے تھے وہ ایک استدلال یوں کرتے تھے کہ قرآن میں فرمایا گیا:

"خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم إن صلوتك سكن لهم". (سورة التوبة، آیت ۱۰۳)

آپؐ ان کے مال کی زکوۃ وصول فرمائیں، ان کی تطہیر اور تزکیہ اس کے ذریعہ فرمائیں، اور آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے وجہ سکون ہے۔

تو ان کا کہنا تھا کہ یہ حق نبی ﷺ کو تھا، ابوبکر کو نہیں، لیکن وہ ظالم بھول گئے تھے کہ قرآن میں یہ بھی تو کہا گیا ہے: ﴿یا ایها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الامر منکم﴾ (۱)۔ ''اولوالامر'' کی اطاعت ان کے دماغوں سے نکل گئی کہ نبی کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت بھی انہیں کرنا ہے۔ بے شمار نصوص، قرآن پاک اور حدیث نبوی ﷺ کے اس سلسلہ میں موجود ہیں ابوبکر صدیقؓ نے اس پر عمل کرکے دکھایا اور اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔

---

(۱) سورۃ النساء، آیت ۵۹

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور کا فتنہ:

اور اس کے بعد آگے بڑھیئے تو ایک دوسرا فتنہ حضرت علی کے زمانہ میں سامنے آیا، اپنی صفوں کے اندر کا فتنہ، اس فتنہ میں انہوں نے یہ رویہ اختیار نہیں کیا کہ دب کر صلح کر لیں، اور وہ حق اور باطل کے درمیان یا حق اور ناحق کے درمیان سمجھوتہ کر لیں، اس کے لئے خلیفۂ راشد تیار نہیں ہوئے بلکہ ان کے سامنے بھی قرآن پاک کی آیت کریمہ تھی:

﴿وإن طائفتان من المومنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله﴾ (۱).

الفئة الباغية سے جنگ کرنا انھوں نے ضروری سمجھا، وہ خلیفہ راشد تھے، اور حق ان کی طرف تھا، انہوں نے باغی جماعت کے خلاف طاقت استعمال کی، دوسری طرف انہوں نے ان غالی شیعان کا بھی مقابلہ کیا اور ان کو سخت ترین سزا دی جو انہیں سے محبت کا دعوی کر رہے تھے اور انہیں کے بارے میں غلو کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ علی تو الٰہ ہیں، اللہ ہیں، اللہ ان کے اندر حلول کر گیا ہے، خدا ان کی ذات میں جلوہ گر ہے۔ جنہوں نے تشیع کا لبادہ اڑھ رکھا تھا اور شیعت کے لبادہ اور علی ہی کی محبت کے دعوی میں جو اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ عقائد میں کھلی تحریف کر رہے تھے تو علیؓ بن ابی طالب نے جو حیدر کرار تھے اور خلیفہ راشد تھے، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریع کا خلفاء راشدین کے ضمن میں نمبر-۲-کا درجہ دیا تھا کہ "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين" (۲) ارشاد گرامی تھا، سخت ترین سزا دی۔

اور یہیں یہ بات بھی سمجھتے چلیں کہ سنت ابوبکرؓ، سنت عمرؓ، سنت عثمانؓ، سنت علیؓ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو ان حضرات کی سنت کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹتا ہے وہ ان کے

---

(۱) سورۃ الحجرات، آیت ۹ (۲) ابوداود، حدیث ۴۶۰۷

ساتھ ہتک عزت کا معاملہ کرتا ہے، اور وہ تشریع نبوی ﷺ میں مداخلت کرتا ہے، اور وہ قرآن پاک کے عطا کردہ نظام کے بارے میں غلط فہمی کا ثبوت دیتا ہے، قرآن پاک نے اپنے ان علمبرداروں کا بار بار ذکر کیا ہے جن کی اطاعت واقتداء کا حکم ہے۔ سورہ فاتحہ ہی میں ﴿الصراط المستقیم﴾ کی تشریح میں ﴿الذین انعمت علیھم﴾ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ وہ ہیں جو آخری نبی کی ہدایت پر چل کر ﴿الذین انعمت علیھم﴾ کی علامت بن گئے ہیں، جو اس راستہ کے سنگہائے میل ہیں، اب ان کی ہدایت بھی نبی کی ہدایت کا ایک حصہ ہے، اور ان کی عدم اطاعت ''معروفات کے اندر'' نبی کی عدم اطاعت پر منتج ہے۔ غرض کہ حضرت علیؓ جو چوتھے خلیفہ راشد ہیں، انہوں نے اپنے گھر کے مسائل حل کرنے کے لئے ضرورت پڑی تو تلوار اٹھائی۔ انہوں نے غالی متشیعین کا بھی علاج کیا، اور فتنہ باغیہ سے بھی مقابلہ کیا اور خوارج سے بھی مقابلہ کیا یہ الگ بات ہے کہ خوارج کو تقدیر نے یہ موقع دے دیا کہ انہیں کے ایک خبیث فرد کے ہاتھ حضرت علیؓ شہادت کے مرتبہ بلند کو پہنچ گئے۔ ایک مجوسی کے ہاتھ حضرت عمرؓ مرتبہ شہادت کو پہنچے، اور ایک خارجی کے ہاتھ حضرت علیؓ نے مرتبہ شہادت حاصل کیا، لیکن امت کو جو فریضہ عطا کیا گیا تھا اس سے غفلت نہیں برتی گئی، سلسلہ اس فریضہ کی ادائیگی کا چلتا رہا، حضور اکرم ﷺ نے جو ذمہ داری اپنے اصحاب کو سونپی اصحاب نے پھر اس امانت کو اگلی نسل کو منتقل کر دیا۔ اب تابعین پر یہ ذمہ داری عائد کر دی گئی اور انہوں نے اس کو نبھایا، حق کا اعلان کیا، اس کا اظہار کیا، اس پر عمل کیا، اللہ سے مربوط رہے اور سنت رسول ﷺ کے افہام وتفہیم، اس کی تشریح اور اس کی تطبیق کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

صحابہ میں افضلیت کے اعتبار سے تفاوت:

ان میں سب ایک درجہ کے نہیں تھے جیسے اصحاب رسول ﷺ میں سب ایک درجہ

کے نہیں تھے، جو مقام ''خلفائے راشدین'' کا ہے وہ غیر خلفائے راشدین کا نہیں ہے، جو مقام ''عشرہ مبشرہ'' کا ہے وہ غیر عشرہ مبشرہ کا نہیں، جو مقام ''بدریین'' کا ہے وہ مقام ''احدیین'' کا نہیں، جو مقام ''احدیین'' کا ہے وہ ''حدیبیین'' کا نہیں، جو مقام ''حدیبیین'' کا ہے وہ ''فتح مکہ'' کے بعد مسلمان ہونے والوں کا نہیں۔

﴿لَا يَسْتَوِىْ مِنكُمْ مَنْ أَنفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ،أُولٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ أَنفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾(۱).

﴿لَقَدْ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً (۲)......﴾(الخ).

یہ وہ اصحاب ہیں جن کے خاص درجات اور خاص مقامات ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چودہ ہزار صحابہ کا مرتبہ ایک نہیں، ایک طرف فقہاء صحابہ اور مفتیان صحابہ ہیں، ایک طرف مکثرین من الحدیث (کثرت سے روایت کرنے والے) صحابہ ہیں ایک طرف مجاہدین اور کمانڈر صحابہ ہیں، اور سب کی مرتبہ بندی حضور ﷺ فرمار ہے ہیں، جو اصحاب افتاء بننے کے اہل ہیں حضور اکرم ﷺ انہیں افتاء کا منصب دے رہے ہیں، جو تفقہ کے اہل ہیں حضور ﷺ انہیں فقاہت کی ذمہ داری سونپ رہے ہیں، جو حدیث کے متون یاد کرنے کے اہل ہیں حضور ﷺ انہیں اس کی ذمہ داری عطا فرمار ہے ہیں، جو جیوش اور لشکروں کے کمانڈر بننے کے اہل ہیں حضور ﷺ انہیں اسکی ذمہ داری سونپ رہے ہیں، اور اسطرح مردم شناسی کا وہ معجزانہ کام انجام دے رہے ہیں جو رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا، اور جسکے نتیجے میں تاریخ اسلامی نے ہر میدان میں کامیاب ترین مثالیں

(۱) سورۃ الحدید آیت ۱۰ (۲) سورۃ الفتح، آیت ۱۸

پیش کیں۔ دین محفوظ رہا اور اس کی تجدید اور تبلیغ ہوتی رہی۔ عبداللہ بن عباس کا جو مقام ہے وہ عام طور پر دیگر صحابہ کا نہیں، حضور اکرم ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی ''اللھم فقھه فی الدین و علمه التاویل''(۱)، فقاہت میں بھی انہیں منصب جلیل حاصل ہے اور تفسیر میں بھی ان کا مقام بہت بلند ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ جن کا حال یہ ہے کہ دیکھنے میں بڑے دبلے پتلے ہیں، لیکن علم کا سمندر ہیں بلکہ علم کا پہاڑ ہیں جب حضرت عمرؓ انہیں کوفہ بھیجتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر اہل کوفہ کو ترجیح دی۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں کہتے ہیں یہ علم سے بھرے ہوئے ہیں، علم کے سمندر ہیں۔ ایک فقیہ جلیل کو کوفہ بھیجا جارہا ہے تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی تربیت فرمائیں اور ان کو تفقہ عطا کریں۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کا ایک خاص مقام ہے جن سے حضور ﷺ یمن بھیجتے ہوئے کہتے ہیں کہ: **بم تقضی یا معاذ! قال: بکتاب الله. قال: فإن لم تجد فی کتاب الله؟ . قال: فبسنة رسول الله ﷺ . قال :فإن لم تجد فی سنة رسول الله؟. قال: أجتهد رأئی ولا آلو. فقال رسول الله ﷺ :الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی الله ورسوله"(۲)۔**

معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کروگے؟ کہا: قرآن کی بنیاد پر کروں گا، اگر قرآن میں حکم صریح نہ ملے تو کیا کروگے؟ عرض کیا: حدیث اور سنت کی بنیاد پر کروں گا، فرمایا: حدیث وسنت میں بھی تمہیں کوئی واضح حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟ کہا: پھر میں قیاس کروں گا، اجتہاد اور صحیح رائے کا استعمال کروں گا، اصل بات تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب العلم، ابن حبان، حدیث ۷۰۵۵

(۲) ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ حدیث ۳۵۹۲

تو حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جس کو اللہ بھی چاہتا ہے اور نبی بھی چاہتا ہے۔

زید بن ثابتؓ کا ایک خاص مقام ہے، ان پر تدوین قرآن کی ذمہ داری ڈالی گئی۔

جہاں تک خلفاء راشدین کے مقام فقاہت، ملکۂ تفسیر اور شرح حدیث کا تعلق ہے تو اس کا کہنا ہی کیا! وہ تو بے انتہا بلند و بالاتر مقام ہے، وہ تو مجتہد ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین اور معتبر ترین نمائندگان ہیں، انہیں نبی کی تبعیت میں تشریع کا ایک منصب خاص عطا کیا گیا ہے جو "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**" سے واضح ہے، تو اب صحابہ کرامؓ کی حیثیتوں کے اسی فرق کی بنیاد پر دیگر فقہائے صحابہ کے متبع تھے اور ان کی رائے قبول کرتے تھے۔

ایک پورا حلقہ تھا صحابہ کرام میں عبد اللہ بن مسعود کا جو ان سے فتوی اور رائے لیتا تھا، ایک پورا حلقہ تھا جو ابن عباسؓ سے رجوع کرتا تھا اور ان سے مستفید ہوتا تھا، ہر صحابی مجتہد نہیں تھے، ہر صحابی کے پاس ہزاروں روایتیں نہیں تھیں، حضرت ابو ہریرہؓ راوی جلیل ہیں، ان کے پاس روایات کا بڑا ذخیرہ ہے، پانچ ہزار سے اوپر روایات کے وہ حامل ہیں، وہ مکثرین صحابہ میں سے ہیں، لیکن فقاہت کا وہ مقام جو عبد اللہ بن مسعودؓ کو حاصل ہے، عبد اللہ بن عباسؓ کو حاصل ہے، ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو حاصل نہیں۔ اس بات پر خود صحابہ کا اتفاق ہے، مابعد صحابہ کے ادوار کے علماء ملت کا اتفاق ہے۔ صحابہ میں اور پھر تابعین میں فقاہت کے اعتبار سے، اجتہاد و قیاس کے اعتبار اور کثرت روایت کے اعتبار سے، فرق نمایاں ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و تربیت اور اس کا نتیجہ:

دو طرح کے لوگ حضور اکرم ﷺ کی تربیت اور تعلیم کے نتیجہ میں تیار ہوئے:

۱- ایک طرف وہ لوگ ہیں جو حضور ﷺ کی احادیث، اعمال اقوال و ملفوظات کی حفاظت

کرنے والے ہیں جن کا کام یہ ہے کہ وہ متون والفاظ کا خیال رکھیں، الفاظ کی درو بست اور نشست و برخاست کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ''نضر الله امرأ سمع مني مقالة فوعاها فاداها كما سمع ''(۱). اللہ سرسبز وشاداب رکھے اس شخص کو جو مجھ سے بات سنے پھر اسے محفوظ کرلے پھر جس طرح سنی ہے ویسے ہی پہنچادے۔

یہ کون ہیں؟ یہ راوی ہیں، یہ حامل حدیث ہیں، یہ متن کی حفاظت کرنے والے اور متن کو بے کم وکاست پہنچانے والے ہیں۔ اکثر صحابہ اسی قبیل کے ہیں جن کا کام یہ ہے کہ جو بھی حضور ﷺ سے سنا اسے پہنچادیا، ان کا کام یہ نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے جو کچھ سنا اس کی تہوں میں اتریں، اور اس کے نکتوں کو پائیں، اور اس کے موتیوں کو لائیں، اور اس میں اجتہاد کریں، یہ ان کا منصب و مقام نہیں ہے، ان کا کام یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جتنی بات کہی ہے اس میں کمی بیشی نہ کریں، یہاں تک کہ ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ بھی استعمال نہ کریں، اگر انہیں زبان و بیان پہ مکمل قدرت نہ ہو تو اس میں بھی احتیاط کریں، حضور اکرم ﷺ کے الفاظ منتقل کریں، اپنی طرف سے بالمعنی روایت بھی نہ کریں۔

۲- لیکن ایک دوسرا طبقہ ہے جنکے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

"رب حامل فقه الى من هو أفقه منه " اور **" ألا فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ أوعى من سامع"(۲).**

لوگو! جو لوگ موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ غیر موجود لوگوں تک بات پہنچادیں، یعنی ایک کام مبلغ کا ہے، حامل متن کا ہے، حدیث کو اٹھانے اور پہچانے کا ہے،

---

(۱) سنن الترمذی، حدیث ۲۶۵۶-۲۶۵۷ (۲) صحیح البخاری- کتاب العلم حدیث ۶۷

ان کی ذمہ داری ہے کہ حدیث کو بے کم وکاست پہنچادیں۔

ممکن ہے کہ جس نے براہ راست حدیث سنی ہے اسکے مقابلہ میں جس تک حدیث پہنچائی گئی ہے زیادہ ادراک رکھتا ہو، زیادہ حافظہ رکھتا ہو، زیادہ فہم رکھتا ہو، زیادہ تفقہ رکھتا ہو، لہذا یہ زیادہ مفید ہوگا کہ اس تک بات پہنچادی جائے، اور جب اس تک بات پہنچے گی تو جو بات اس شخص کے نزدیک ایک بات تھی دوسرا شخص اس بات سے سینکڑوں باتیں نکالے گا، یعنی پھر وہ اسکی تہ میں اترے گا، اور اس کے موتی چنے گا، اسی لئے فرمایا گیا ہے:

"من یرد الله به خیر ا یفقهه فی الدین و انما انا قاسم والله یعطی" (۱)

اللہ تعالی جس کے ساتھ بڑے خیر کا ارادہ کرتا ہے (بہت بڑا کمال اور بہت بڑی فضیلت اور بہت بڑا مقام دینا چاہتا ہے) اسے تفقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتا ہے، اسے فقیہ بناتا ہے، اور جب وہ فقیہ بنتا ہے تو پھر وہ اس دین کی تہ میں اترتا ہے، اس کی گہرائی میں جاتا ہے، اس کے مغز و جوہر کو پاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس پر ابھارا گیا ہے کہ وہ صرف الفاظ پر نہ ٹھہر جائیں بلکہ وہ الفاظ کی تہ میں اتریں۔

﴿فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم إذا رجعوا إلیهم لعلهم یحذرون﴾ (۲)

ایسا کیوں نہیں کہ ہر الگ آبادی سے کچھ بندے کھڑے ہو جائیں، مردان آہن صحرانوردی کرنے والے، دوڑ دھوپ میں لگنے والے، جو اس دین میں تفقہ پیدا کریں اور اس کے بعد پھر جب اپنی قوم میں واپس جائیں تو اپنی قوم کو چوکنا کریں، خطرات سے آگاہ کریں، یعنی فقہاء کیوں نہیں تیار ہوتے جو امت کی رہنمائی کریں اور خطرات سے آگاہ کریں۔

---

(۱) صحیح البخاری - کتاب العلم حدیث ۷۱

(۲) سورۃ التوبۃ آیت ۱۲۲

لغت میں فقہ کی تحقیق اور فقہاء و محدثین میں فرق:

تفقہ باب تفعل سے ہے جس کی اصل فقہ ہے اور فقہ کے معنی اصلاً یہ ہوتے ہیں کہ کسی چیز کے چھلکے کو اتار کر اسکے مغز کو پالیا جائے، اصلاً عربی زبان میں اس لفظ کا استعمال اس مقصد کے لئے ہوتا ہے اور جب باب تفعل میں اس کو لے گئے تو اس میں اور قوت پیدا ہوگئی اور زیادہ وسعت پیدا ہوگئی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مغز کو پانے کی کوشش "تفقہ" ہے گہرائی میں اتر جایا جائے اور وہاں سے موتی لائے جائیں یہ کام فقاء ملت کا ہے محدثین کا نہیں ہے۔

حضرت امام اعمش جو محدث جلیل ہیں انہوں نے اپنے وقت کے محدث وفقیہ اعظم امام ابوحنیفہ سے کہا تھا: "انتم الاطباء ونحن الصیاد لۃ"(۱) آپ طبیب ہیں اور ہم لوگ عطار ہیں ہمارا کام عطار کا ہے جڑی بوٹی لانا ہے، پتیوں پودوں کا جمع کرنا ہے اور انہیں مرتبان میں رکھ کر دکان سجانا ہے، ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ ہم یہ بتائیں کہ بخار میں کون سا جوشاندہ استعمال کیا جائے، ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم دوائیں اکٹھا کردیں اس کے بعد آپ ڈاکٹر اور حکیم سے نسخہ لائیں ہم اس نسخہ کے مطابق آپ کو دوا دیں گے یعنی فقیہ جب کوئی مسئلہ بتائے گا تو اس مسئلہ کے مستدلات ہم آپ کے سامنے پیش کرسکتے ہیں اجتہاد اور گہرائی اور گیرائی ہمارے بس کی بات نہیں، فقہا اور محدثین میں یہ فرق ہے۔

امت میں انہیں کو فقہاء کہا جاتا ہے جو پہلے محدث ہوتے ہیں اور پھر کیونکہ حدیث کے سمندر میں غواصی کر کے موتی لانے کا نام فقہ ہے تو کوئی بھی فقیہ بغیر حدیث کی منزلوں سے گزرے فقاہت کے مرتبۂ بلند کو پہنچتا ہی نہیں، لہذا جب یہ کہہ دیا گیا کہ فلان الفقیہ تو اس کا یہ طے شدہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ سات سمندر پار کر چکا ہے اس نے حدیثوں کے

---

(۱) دیکھئے جامع بیان العلم وفضلہ.... از علامہ ابن عبدالبر (۱۳۱/۲)

سمندر کو سمیٹ لیا، اور کوزہ میں بند کرلیا ہے اب اس کے سامنے حدیثیں اس طرح ہیں جیسے ماہر منطقی کے سامنے دلائل و براہین کا مجموعہ، اس کے لئے کوئی مسئلہ مشکل نہیں ہے وہ غور وفکر کرتا ہے اور چند حدیثوں سے ہزاروں مسائل نکال لیتا ہے۔ حضور پاک ﷺ نے اسی کی تلقین فرمائی تھی کہ جو حدیث مجھ سے سنو اسے لوگوں تک پہنچاؤ شاید وہ کسی فقیہ تک پہنچ جائے، جب وہ حدیث کسی فقیہ تک پہنچے گی تو وہ اس حدیث سے وہ مطلب سمجھے گا جو میں چاہتا ہوں میری مرادیں سمجھے گا، میرے نکتے سمجھے گا، میری گہرائیوں کو سمجھے گا، میں نے جو بصیرت اس کے اندر رکھی ہے اور اللہ نے جو انوار اس کے اندر رکھے ہیں وہ ان انوار اور بصائر تک پہنچے گا، اس لئے یہ فرمان ہے کہ: **''فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ورب حامل حديث إلى من هو فقيه، فليبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعى من سامع''**

یہ وہ تفقہ ہے جس کی طرف قرآن نے ترغیب دی اور توجہ دلائی، احادیث میں اس پر ابھارا گیا، محدثین حدیثوں کو لے کر پہنچانے کا کام کرتے رہے اور فقہاء استنباط واجتہاد کا فریضہ انجام دیتے رہے، پھر جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو جس نے حضور ﷺ سے براہ راست سنا وہ صحابی ہوگیا اور ''الصحابة کلهم عدول'' تمام صحابہ دیانتدار اور امانتدار ہیں۔ اب آگے تابعین میں ثقہ بھی ہیں غیر ثقہ بھی، پھر جس نے تابعی سے سنا، یا تبع تابعی سے سنا، اس کے لئے اب دونوں امکان ہیں: ''التابعي قد يكون ثقة وقد يكون غير ثقة وتابع التابع قديكون ثقة و قد يكون غير ثقة وقديكون غير ثقة'' : اسی طرح آگے کے تمام واسطوں کا حال ہے لہذا اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ صحابی سے کس نے نقل کیا اور تابعی سے کس نے روایت کیا، راوی کس حیثیت کا مالک ہے، اسکی دیانت کا حال کیسا ہے، اسکی علمی شخصیت کس درجہ کی ہے؟ ایک تحقیق شخص

کی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کی تحقیق کا آخری ہونا ضروری نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ ظاہری اعتبار سے ایک محقق کسی شخص کو اچھا سمجھے لیکن دوسرا جانتا ہے کہ وہ امانت دار اور قابل اعتماد نہیں ہے، اندرونی حالات اس کے اطمینان بخش نہیں ہیں، جس نے اس کو اچھا سمجھا اس نے اس سے روایت اخذ کرلی اور اس روایت کو درست سمجھا، لیکن جو شخص یہ جانتا تھا کہ یہ قابل اعتبار نہیں ہے وہ اس روایت کو غلط قرار دے گا اور یہ کہے گا کہ اس میں جھول ہے، کیوں کہ اس روایت کا حامل اپنی دینداری یا علمی حیثیت میں جھول رکھتا ہے۔ اب جس طرح عطار کا کام یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ وہ نینی تال کے پہاڑوں سے جڑی بوٹیاں لایا ہے یا شملہ سے، راجستھان سے لایا ہے یا یوپی سے، یہ نقلی (Duplicate) تو نہیں ہیں۔ دوا میں غلطی تو نہیں ہورہی ہے، اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ دوا کی اصلیت کا خیال رکھے، لیکن حکیم اور ڈاکٹر کا کام یہ ہے کہ وہ دواؤں کے مفردات اور مرکبات کی مقدار اور استعمال کے اوقات اور مریض کی کیفیات اور مرض کی صورتحال اس سب کا جائزہ لیکر دوا تجویز کرے، یہی فرق محدثین اور فقہاء میں ہے، محدثین کا کام یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور صحابہؓ کے اقوال اور تابعین کی روایات یعنی حدیث مرفوع، حدیث موقوف اور حدیث مقطوع، جمع کریں اور یہ بتائیں کہ یہ حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یا نہیں، یہ حدیث صحابی سے منقول ہے یا نہیں، یہ بات تابعی سے منقول ہے یا نہیں، یہ قول ہے یا فعل، یا ''تقریر''، یہ حلیہ کا بیان ہے یا اوصاف وشمائل کا؟ واسطے درست ہیں یا نادرست ہیں؟ کڑیاں جڑی ہوئی ہیں یا ٹوٹی ہیں؟ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ حسن ہے یا مردود اور متروک؟ وہ اس کو بتانے کی کوشش کریں کہ ہم جس راستہ سے یہ حدیث لائے ہیں وہ راستہ صاف ستھرا ہے کہ نہیں، اس میں کہیں سناٹا (شذوذ) یا خرابی (علت) تو نہیں۔ بس اتنا کام ہے محدثین کا، اب اس کام کے بعد وہ فارغ ہوجاتے ہیں،

وہ حدیثیں حوالہ کر دیتے ہیں فقہاء کرام کو، اور اب فقہاء کرام کا کام شروع ہوتا ہے کہ وہ احادیث پر غور کریں اور غور کر کے طے کریں کہ اس حدیث سے کیا مراد ہے، اس سے فرض ثابت ہوتا ہے یا وجوب؟ سنت ثابت ہوتی ہے یا استحباب؟ کراہت، کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟ اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو کس درجہ کی؟ اور یہ سارے فیصلے محض ذوق ومزاج پر مبنی نہیں ہوتے، بلکہ ان کے اصول طے شدہ ہیں۔

قرآن قطعی الثبوت ہے لیکن سب کا سب قطعی الدلالۃ نہیں ہے۔ حدیث متواتر، قطعی الثبوت ہے، غیر متواتر قطعی الثبوت نہیں ہے، اب جس کا ثبوت جہاں قطعی نہیں ہے وہاں ثبوت کی فکر کرنا ہے، جہاں قطعی ہے وہاں دلالت کی فکر کرنا ہے، پھر دلالت کے بہت سے گوشے ہیں، دیکھنا ہے کہ دلالت کس نوعیت کی ہے اور اس کے لئے بھی اصول، زبان وبیان کے طے شدہ ہیں، اصول سے ہٹ کر اگر کوئی کام کیا جائے گا تو ایک فیصلہ ابھی آپ ایک حدیث سے اخذ کریں گے، اور دوسرے نص سے ایک متضاد فیصلہ لے لیں گے اور فقہ مزاجی باتوں کا مجموعہ بن جائے گا، جن اصول کو فقہاء نے مرتب کیا، محدثین نے نہیں کیا، یہ کام نہ محدثین کا تھا، نہ ہے۔

ایک مغالطہ کی نشاندہی:

اور جو لوگ بھی اپنے کو محدث یا اہل حدیث کہہ کر اس سلسلہ میں مداخلت کرتے ہیں وہ دخل در معقولات کرتے ہیں، فضولی لوگ ہیں، انہیں اس کا قانونی حق نہیں ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ یہ حق انہیں بیسویں صدی میں نہیں ہے، یہ حق نہ پہلی صدی میں انہیں حاصل تھا نہ دوسری صدی میں، نہ بعد کی صدیوں میں۔ اس حق کا دعوی ''محدثین'' اور ''اہل حدیث''، منصفین نے کبھی نہیں کیا، یہ محض ایک مغالطہ انگیزی ہے، اس دور میں یہ ثابت

کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ایک گروہ اہل حدیث کا رہا ہے، اور اس کی بھی فقہ مدون ہے، اس کا بھی قانون چلتا رہا ہے، اس کا نظام بھی جاری وساری رہا، یہ محض ایک مغالطہ اور فریب ہے، محدثین نے وہی کام کیا جو حضرت اعمشؒ نے بیان کیا کہ ہم لوگ عطار ہیں، ڈاکٹر نہیں، ہم عطار ہیں حکیم نہیں، ہم جونیئر انجینئر ہو سکتے ہیں انجینئر نہیں، ہماری حیثیت ایک تابع کی ہے متبوع کی نہیں اور اگر اس حقیقت کو آپ آشکارا دیکھنا چاہتے ہیں تو وہی کتابیں جن سے استدلال کر کے مغالطہ دیا جارہا ہے انہیں دیکھ لیں، محدثین عظام ہمیشہ فقہاء کرام کا حوالہ دیتے آئے ہیں، وہ ان کے اقوال نقل کرتے ہیں، ان کے استدلالات پر محدثانہ رنگ میں گفتگو کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ نفس فقہی استدلال کو موضوع نہیں بناتے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے لوگ جواب دینے لگتے ہیں، لگتا ہے کہ کوئی ان پر حملہ آور ہو رہا ہے، ہرگز نہیں، کوئی حملہ آپ پر نہیں ہو رہا ہے، کچھ بیچارے اپنی بیوقوفی اور نادانی کا ثبوت دیتے ہیں اور کچھ عوام ان کے چکر میں آجاتے ہیں، آپ کا کام ہے کہ بات سمجھائیں اور مغالطہ انگیزی دور کریں۔

امام بخاریؒ اور مقام فقاہت:

امام بخاریؒ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں، صحیح احادیث کا عمدہ ذخیرہ انہوں نے مرتب فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو فقاہت کا بھی حصہ وافر عطا فرمایا، انہوں نے احادیث کی ترتیب میں اور ابواب کے عنوانات میں فقہی نکات کی طرف اشارے فرمائے لیکن انہوں نے مسائل مرتب نہیں فرمائے، نہ خود دعوی اجتہاد کیا، نہ امت نے انہیں فقہائے مجتہدین میں مانا، نہ کسی طبقہ نے انہیں ائمہ اربعہ کے مقابلہ میں اپنا امام مانا، نہ ان کے ہاں سے فتاوی صادر ہوئے ہیں نہ انہیں قضا کی ذمہ داری سونپی گئی۔

کہا جاتا ہے: **فقه البخاری فی تراجمه**، بخاری کی فقاہت ان کے تراجم ابواب میں جلوہ گر ہوتی ہے، لیکن مجھے کوئی بتائے کہ اس فقاہت سے کوئی مدون فقہ تیار ہوسکی؟ کیا ان کے شاگرد رشید امام ترمذی نے ان کو فقہاء کی فہرست میں شمار کیا، اور کہیں ان کا کوئی ذکر بحیثیت فقیہ کے اپنی کتاب السنن میں کیا؟ ایک عامل کو جو دین کے اصول اور قانون پر عمل کرنا چاہتا ہے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ فرض کیا ہے، واجب کیا ہے، سنت کیا ہے، مستحب کیا ہے، مکروہ کیا ہے، حرام کیا ہے، مرتب شکل میں اسے معلوم ہونا چاہئے، بخاری نے کہیں پر بھی وضوء کے فرائض وواجبات وسنن ومستحبات فقیہانہ انداز سے مدون کرکے پیش کئے ہیں؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ارادۂ تدوین فقہ:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ چاہا تھا، اور امام بخاری نے کتاب الایمان میں اس کا حوالہ دیا ہے کہ میں فقہ کے ابواب مرتب کردوں، جس طرح انہوں نے تدوین حدیث کا کام شروع کروایا، امام زہری اور ابوبکر بن حزم کو اس عظیم کام کی ذمہ داری سونپی، اسی طرح چاہا تھا کہ میں تدوین فقہ کا بھی کام انجام دے دوں، لیکن اللہ نے مہلت نہیں دی، بہت ہی مختصر خلافت ہوئی اور جلدی ہی وہ اٹھا لئے گئے، اگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تدوین فقہ کا کام انجام دیدیتے تو ایک بہت بڑا بوجھ امت کے کاندھوں سے اتر جاتا اور یہ کام بہت ہی ابتدائی دور میں ہوجاتا، پہلی صدی کے اختتام پر دوسری صدی کی ابتداء میں یہ کام انجام پاجاتا، اور امت کے لئے بڑی آسانی ہوجاتی لیکن تدوین حدیث بھی دربار خلافت کے ذریعہ وہ نہ کرواسکے، اور تدوین فقہ کا کام بھی وہ خود انجام نہ دے سکے، تدوین حدیث کا کام بھی محدثین کو انفراداً انجام دینا پڑا، اور تدوین فقہ کا کام پھر ائمہ اربعہ اور اس دور کے دیگر ائمہ کو بھی انفراداً انجام دینا پڑا۔

امام بخاری نے تدوین فقہ کا کام نہیں کیا:

بہر حال واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری کتاب میں ''فقہ کی تدوین'' کی کوئی کوشش نہیں کی، ہاں یہ ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے تراجم ابواب میں جنہوں نے بہت سے علماء کو حیران کر رکھا ہے، اور اس حیرانی میں اس کو بھی دخل ہے کہ آدمی نکتہ وری چاہتا ہے، شاعر نے ایک شعر کہہ دیا، حافظ نے کہہ دیا، سعدی شیرازی نے کہہ دیا، ہر آدمی اپنا مطلب شعر سے نکالنا چاہتا ہے اور: **المعنی فی بطن الشاعر** کے مصداق شاعر کیا چاہتا ہے، یہ تو وہی جانتا ہے، ممکن ہے کہ شارح اس کے اندر جھانک لے اور ممکن ہے کہ بہت دور کی کوڑی لائے، بخاری کے تراجم ابواب کا بھی یہی قصہ ہے۔ شاید قیامت میں جب امام بخاری سے بہت سے شراح کی ملاقات ہوگی تو بخاریؒ کہیں گے کہ بھئی: میں نے تو یہ نہیں چاہا تھا، آپ نے یہ مطلب کہاں سے نکال لیا اور یہ نکتہ آپ نے کہاں سے پیدا کر لیا، شاید جب جنت میں جمع ہوں گے تو کچھ اس طرح کی دل لگی بھی ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ امام بخاری نے فقہ کی کوئی تدوین نہیں کی۔

امام ترمذیؒ کے نزدیک فقہ اور فقہاء کی اہمیت:

لیکن میں ذرا آگے بڑھنا چاہتا ہوں، امام ترمذیؒ جو امام بخاری کے شاگرد رشید ہیں، تربیت یافتہ ہیں، جنہوں نے امام بخاریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، امام بخاریؒ سے علل پر مباحثے کئے، مناقشے کئے، امام بخاریؒ سے اسمائے رجال کے نکتے حل کئے، جنہوں نے امام بخاری کے ساتھ صبح و شام بسر کئے، ایک ''ترمذ'' کے ہیں تو ایک ''بخاریٰ'' کے، ایک ازبکستان کے شمال کے ہیں تو ایک جنوب کے، اور ان کی خدمت میں رہ کر اور ان سے تربیت حاصل کر کے وہ فن سیکھا ہے جو محدثین کو حاصل رہا ہے، انہوں نے متنِ حدیث

کو بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے، علل حدیث کو بھی، تراجم اور اسماء رجال کی بحثوں کو بھی سمیٹا ہے اور فقہاء کرام کے مستدلات اور ان کی آراء بھی پیش کی ہیں اور ان کی آراء کے درمیان محاکمہ بھی کبھی کرنے کی کوشش کی ہے، جنہوں نے یہ سب کچھ کیا ہے، وہ بخاری کے مدرسہ کے بہترین فارغ التحصیل ہیں، اس بات کا گویا بزبانِ حال برملا اعلان کرتے ہیں کہ میں فقیہ نہیں ہوں، میں تو محدث ہوں، میرا کام فقہاء کے مستدلات جمع کردینا ہے، مجھے بتانا ہے، کہ یہ قول ابن المبارک کا ہے، یہ مالک کا، یہ اہل کوفہ کا، یعنی ابوحنیفہؒ یا وکیع بن الجراح یا دیگر ائمہ کا ارشاد ہے، شافعی کا یہ قول ہے، احمد بن حنبل نے یہ کہا ہے، اور اسحاق بن راہویہ نے یہ، یہ لیث کا قول ہے، یہ اوزاعی کا، یعنی ائمہ فقہ کے مقام کو تسلیم کرکے ان کے اقوال پیش کردینا اور ان کے مستدلات بتانا، یہ ان کا موضوع ہے۔ اگر حدیث ضعیف بھی ہے تو وہ یہ فرماتے ہیں: **وقد ذهب الى ذلك أكثر أهل العلم**، ضعیف حدیث ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اکثر علماء، صحابہ اور تابعین اس کی طرف گئے ہیں، انہوں نے اس کو قبول کیا ہے، حدیث منقطع پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اسلئے کہ **مؤيد بالاحاديث الأخرى**، **مؤيد بالمتابعات** اور **مؤيد بالشواهد** ہے، وہ اس بنیاد پر فیصلے کرتے ہیں، کہیں پر وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے - نہ زیر لب نہ ببانگ دہل - کہ بخاری کا یہ مسلک ہے اور مسلم کا یہ، یحییٰ بن معین کا یہ مسلک ہے اور علی بن المدینی کا یہ، یحییٰ بن معین کا یہ حال ہے کہ بیٹھے ہیں اور حلقہ تلامذہ لگا ہے اور ہر تلمیذ ان سے ایک ایک محدث کے بارے میں پوچھ رہا ہے، **ماذا تقول فی فلان بن فلان، ماذا تقول فی فلان؟** وہ کبھی فرماتے ہیں ''**ثقة**'' اور کبھی ''**لا باس به**'' اور کبھی ''**ضعيف**'' جن کا حال یہ ہے کہ تراجم رجال ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں اور وہ افراد کے بارے میں فیصلے صادر کررہے ہیں، کبھی انہوں نے اس کی نہ جرأت کی اور نہ کسی محدث نے کہ مسالک فقہ نقل کرتے ہوئے ان کا مسلک نقل کیا

جائے، ترمذی مسالک نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ترمذی بخاری کے شاگرد رشید ہیں لیکن مجھے بتایئے کہ کیا امام ترمذی نے امام بخاری کے مسلک کا فقہائے کرام کے مسلک کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، امام بخاری کا کوئی الگ مسلک تھا؟ غلط ہے یہ کہنا، امام بخاری محدث جلیل تھے ان کے سامنے فقہاء کرام کی کوششیں تھیں اور ان فقہاء کرام کی کوششوں سے وہ متفق اور مستفید تھے، جہاں ان کی اپنی کوئی رائے احادیث کی روشنی میں بنی تھی وہ اس پر عمل کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنے مسلک کی کوئی داغ بیل نہیں ڈالی تھی، اس کے لئے اصول نہیں طے کئے، قواعد نہیں بنائے، امت کو نہ اس کی عملا دعوت دی، نہ حالاً نہ مقالاً، اور ان کے شاگرد رشید ترمذی اگر یہ جانتے کہ بخاری بھی صاحب مسلک ہیں تو ضرور کہتے کہ بخاری کی یہ رائے ہے، جب وہ آراء فقہاء کا تذکرہ کرتے ہیں تو کہیں پر بخاری کا تذکرہ کرتے، کہیں علی بن مدینی کا، کہیں یحیٰی بن سعید القطان کا تذکرہ کرتے، کہیں وکیع بن الجراح کا، کہیں شعبہ بن الحجاج کا تذکرہ کرتے، کہیں کسی اور محدث کا، لیکن یہ طے شدہ بات تھی کہ مسلک کی جب بات آئے گی تو ائمہ کا تذکرہ ہوگا جو فقہاء اجلہ ہیں، جو اس امت کے قانونی رہبر و رہنما ہیں جنہوں نے کتاب وسنت پر بصیرت حاصل کی ہے، یہ مقام انہیں کا ہے، ہمارا مقام ان کے اقوال نقل کر کے جائزہ لے لینے کا تو ہوسکتا ہے لیکن ان کی کوششوں سے صرف نظر کا نہیں، پوری کتاب السنن دیکھئے دو چار جگہیں ایسی ہیں جہاں ترمذی نے کسی مسئلہ پر بحث کی ہے، مثلا توضئ بالنبیذ کے مسئلہ میں امام ترمذی نے فقہاء کرام کی رائے ذکر کر کے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ نبیذ سے وضو درست نہیں، صاف پانی ہونا چاہئے، جس کا نام پانی ہو نہ کہ کچھ اور، ان کا کہنا ہے: ”**هذا أشبه بكتاب الله تعالى لأن الله تبارك وتعالى يقول: ﴿فإن لم تجدوا ماءً فتيمموا صعيدا طيبا﴾** (۱)

---

(۱) سنن الترمذی باب ماجاء فی الوضوء بالنبیذ حدیث ۸۸

تو اختلاف صرف اتنا ہوا، اسے جب نبیذ کہہ دیا گیا تو وہ ماء مطلق نہیں رہا، یعنی خالص پانی نہیں رہا، اور قرآن ماء مطلق استعمال کر رہا ہے، لہذا قرآن سے ''اشبہ'' یہی قول ہوا کہ جب خالص پانی ہو تو اسے وضو کے لئے استعمال کریں اور جب نبیذ کا وصف اس پر منطبق ہو رہا ہو، چاہے وہ گاڑھا نہ ہو، اس میں سکر نہ ہو اور چاہے اس کا استعمال بطور وضو ہو بھی سکتا ہو پھر بھی نہ کیا جائے۔

امام ترمذی نے ایک بحث یہ ذکر کی ہے کہ ظہر کی نماز گرمی کے ایام میں ''شدۃ الحر'' میں تأخیر سے پڑھنا چاہئے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ کا قول انہوں نے نقل بھی کیا، جابجا نقل کیا، اگرچہ نام ابوحنیفہ کا نہیں لیتے، عام طور پر امام ابوحنیفہ کا جب قول نقل کرنا ہوتا، تو یہ فرماتے کہ کوفہ والے یہ کہتے ہیں، اور یہ اسلئے انہیں کرنا پڑتا تھا کہ وہ تو امام ابوحنیفہ کی فقاہت اور جلالتِ شان کو خوب جانتے تھے، اسی لئے ان کے اقوال سے کتاب بھر رکھی ہے، لیکن انہیں یہ معلوم تھا کہ بعض منتسبین الی الحدیث واھل الحدیث ایسے ہیں جو حدیث کے حلقوں میں بیٹھتے ہیں، حدیثیں نوٹ کرتے ہیں، لیکن فقاہت سے انہیں مناسبت نہیں ہے، ظاہریت ان پر غالب ہے، ابوحنیفہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو چڑ جاتے ہیں، فقاہت سے دور ہونے، تفقہ کا مزاج نہ رکھنے اور ظاہریت کے غلبہ کی وجہ سے ان کے سامنے ابوحنیفہ کا تذکرہ کیا جائے تو غصہ میں آجاتے ہیں، دلائل پر غور کئے بغیر، شخصیت سے بدگمانی کی بناء پر بات سننا ہی نہیں چاہتے، اس لئے ترمذی اس کا خیال کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے سامنے نام کی صراحت نہ کی جائے۔ ان کی بات کہہ دی جائے، انہوں نے اس مسئلہ میں ابوحنیفہ کا قول بھی نقل کیا ہے اور شافعی کا بھی، لیکن امام شافعی سے اختلاف کیا ہے اور امام شافعی سے اختلاف کرتے ہوئے - جو یہ کہتے ہیں کہ شدۃ الحر میں ظہر کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کا حکم، اس وقت ہے جب کہ مسجد دور ہو اور آدمی کو دور تک چلنا پڑے تو اس

مشقت سے بچانے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے ''ان شدۃ الحر من فیح جهنم فابردوا عن الصلوۃ ''- امام ترمذی امام شافعی کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''وإن في حديث ابي ذر مايدل على خلاف ما قال الشافعي '' (۱) کہ ابوذر غفاری کی حدیث اس کے خلاف ہے کیونکہ حضرت ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام ایک سفر میں تھے اور ایک خیمہ میں سب حضرات موجود تھے، وقت ظہر آیا بلال اول وقت میں اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: يا بلال ابرد ابرد ، پھر تھوڑی دیر کے بعد بلالؓ کھڑے ہونے لگے، فرمایا: ابرد يا بلال ،ثم ابرد حتى رأينا فيئ التلول. مزید ٹھنڈے وقت میں یہاں تک کہ پھیلے ہوئے ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا، جب خاصی دیر ہوگئی تب حضور ﷺ نے ظہر کی اذان کہلوائی، امام ترمذی کہتے ہیں کہ شافعی کی دلیل کمزور ہے کیونکہ ابوذر غفاریؓ کی حدیث اس سلسلہ میں بتاتی ہے کہ ایک خیمہ میں سب حضرات جمع تھے، پھر بھی تاخیر کی گئی۔

تو اتنا کام ایک محدث جلیل کا ہے کہ اگر کسی دلیل کے استعمال میں یا اس سے استدلال میں اسے کوئی غلطی محسوس ہو رہی ہو تو وہ اس غلطی کا تذکرہ کرنے کی جرأت کرے، اور ایسی جرأت امام ترمذی نے چند جگہوں پر کی ہے، جو انگلیوں پر گن لی جائیں۔ ان کا جو مقام تھا اس کے مطابق انہوں نے کام کیا، وہ ہمارے سر آنکھوں پر لیکن یہ وہی کام تھا جس کا تذکرہ حضرت اعمش نے فرمایا کہ: محدثین عطار کا کام انجام دیتے تھے، فقہاء طبیب کا۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مقام امام شافعی کی نظر میں:

اب رہے ائمہ اربعہ، تو ظاہر ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ سب سے بڑے، سب سے مقدم، اور سب سے زیادہ وسعت اور گہرائی اور گیرائی رکھنے والے تھے، اس کا اعتراف مسجد کے ملا اور جمن اور عوام الناس کریں تو کہہ دیا جائے کہ ناواقف لوگ ایسی بات کہہ رہے ہیں ان کا اعتراف ان ائمہ عظام نے کیا جو ان سے بہت سے مسائل میں اختلاف بھی رکھتے ہیں اور وہ خود مقتدا اور پیشوا ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ " الناس فی الفقه عيال على أبي حنيفة (١) ، الناس تمام انسان بشمول شافعی، بشمول احمد بن حنبل، بشمول دیگر حضرات - جو بعد کے ہیں - فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج اور دست نگر ہیں، شافعی منصف تھے، شافعی دانشمند تھے، شافعی امام جلیل تھے، شافعی صادق اللسان تھے، شافعی نے جب یہ کہا تو حقیقت کی ترجمانی کی، کیونکہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن الحسن الشیبانی کے شاگرد ہیں، اور ابوحنیفہ ان کے استاذ الأستاذ ہیں، فقہ حنفی انہوں نے امام محمد سے سیکھی ان کی فقاہت کو سمجھنے کا انہیں خوب موقعہ ملا۔

امام اعظمؒ کے حق میں امام مالک کی گواہی:

ابتداء امام مالکؒ جن کی ملاقات امام ابوحنیفہ سے نہیں ہوئی تھی، اور ان تک غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لئے غلط باتیں پہنچائی گئیں تھیں، امام صاحب کے بارے میں صحیح رائے نہیں رکھتے تھے، یہ کہا گیا تھا کہ وہ بڑے قیاس ہیں، بڑی رائے زنی کرتے ہیں، حدیثوں پر توجہ نہیں دیتے اور آپ جانتے ہیں کہ عراق تو " دار الضرب " کہلاتا تھا جہاں اہل تشیع کی مہربانی سے! حدیثیں گڑھی جاتی تھیں، مختلف باتیں امام مالک کو پہنچائی گئیں،

---

(۱) دیکھئے سیر اعلام النبلاء، ج ٦، ص ٣٩٠

اور جو لوگ عراق سے مدینہ منورہ آتے تھے ان میں چونکہ بحث کا بھی خاصہ مادہ تھا اور یہ ذوق وہاں کی فضاء میں پیدا کیا گیا تھا، تو وہ مدینہ منورہ میں امام مالک کی مجلس میں سوالات کرتے، کبھی یوں کہتے: ارأیت لو کان کذا، حضرت آپ نے یہ مسئلہ تو بتایا، اگر ایسی صورت حال ہو تو کیا ہوگا، ایسا ہو تو کیا ہوگا؟ حضرت امام مالک اس سے ناراض ہوتے تھے اور کوئی اس طرح کرتا تو فرماتے! ''ھل أنت من الأرأیتیین'' تم بھی ''أرأیتی'' ہو گیا؟ یعنی جو چیز ابھی نہیں پیش آئی اس کے بارے میں کیوں سوال کرتے ہو، لیکن جب امام مالک کی امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی اور دونوں کا مذاکرہ ہوا اور ایک دوسرے کے علم اور تقوی کو سمجھنے کا موقع ملا تو امام ان کی فقاہت و ذہانت سے بے انتہا متاثر ہوئے اور فرمایا: یہ ایسا امام جلیل ہے کہ یہ اگر ثابت کرنا چاہے کہ مسجد نبوی کے یہ ستون سونے کے ہیں تو ثابت کرسکتا ہے (۱)، یعنی دلائل و براہین اس کی لونڈیاں اور باندیاں ہیں، دلائل ہاتھ باندھے اس کے حضور کھڑے رہتے ہیں، دلائل پیش کرنے پہ آئے تو بڑے سے بڑا منطقی اور بڑے سے بڑا معقولی انگشت بدنداں رہ جائے، یہ اعتراف حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک ایسے امام کی طرف سے ہے جن کو آج کل کے ''اہل حدیث'' اپنے میں شمار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ان سے بری ہیں۔

امام اوزاعی کی حضرت عبداللہ بن المبارک کو نصیحت:

امام اوزاعیؒ بھی امام ابوحنیفہؒ کے مقام فقاہت سے پوری طرح واقف نہیں تھے، ایک موقع پر ایک مسئلہ زیر بحث آیا جو حل نہیں ہو رہا تھا، اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے ایک رائے ذکر کی، أوزاعی نے پوچھا: اے عبداللہ! یہ مسئلہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ النعمان سے، تو انہوں نے کہا کہ: اچھا اگر ایسا ہے تو، فالزم غرزہ (۱) تو ان کی رکاب تھامے رہنا، ان کی رکاب تھامے رہنا۔

(۱) دیکھئے ''الخیرات الحسان'' ص ۳۱

دولت عباسیہ میں حنفی چیف جسٹس کا تقرر:

اور یہی وہ فقیہ اعظم ہیں جن کے شاگرد رشید ابو یوسف القاضی کو پوری ملت اسلامیہ کے لئے دولت عباسیہ نے چیف جسٹس کے عہدے پر تعینات کیا، قاضی القضاۃ کا منصب ابو یوسفؒ کے لئے طے کیا گیا جب کہ عباسی خاندان اپنی نسبت خاندانی حضرت ابن عباسؓ سے رکھتا تھا اور فقہ ابن عباسؓ پر زیادہ تر فقہ شافعی کا دارومدار ہے۔

مذاہب اربعہ کے مآخذ اور امام اعظمؒ کا مرتبہ:

امام شافعیؒ کی فقہ کا بنیادی مأخذ فقہ ابن عباسؓ ہے جیسے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کا بنیادی مأخذ فقہ ابن مسعودؓ ہے اور امام مالکؒ کی فقہ کا مأخذ فقہ ابن عمرؓ ہے اور ابن حنبلؒ کی فقہ کا مأخذ فقہ شافعیؒ، وفقہ مالکی اور فقہ حنفی ہے، ابوحنیفہؒ رأس الفقہاء ہیں، اور یہ اعتراف تمام فقہاء اور علماء کا ہے کہ اس مقام اور اس میدان میں ابوحنیفہؒ کا کوئی ثانی نہیں۔

دیگر فقہاء کے نقطہائے نظر:

اوزاعیؒ بھی امام ہیں، لیث بن سعدؒ بھی امام ہیں، اسحاق بن راہویہؒ بھی امام ہیں، لیکن اسحاق بن راہویہؒ اکثر احمد بن حنبلؒ کے ساتھ ہیں، ان کا فقہی نقطۂ نظر ان سے ملتا جلتا ہے، اوزاعی کا فقہی نقطۂ نظر اکثر ابوحنیفہؒ سے ملتا جلتا ہے، لیث بن سعدؒ کا فقہی نقطہ نظر اکثر مالک سے ملتا جلتا ہے، ہر فقیہ کو وہ تلامذہ نہیں ملے جو اس کی فقہ کی داغ بیل اچھی طرح ڈالتے اور اس کی تدوین کا فریضہ انجام دیتے، کیا احمد بن حنبلؒ کا مقام بخاریؒ سے کمتر ہے؟ ہرگز نہیں، احمد بن حنبلؒ بخاریؒ کے استاد ہیں، لیکن احمد بن حنبلؒ وہ کام نہ کرسکے جو بخاریؒ نے کیا، آج اصح الکتب بعد کتاب اللہ، صحیح البخاری کو قرار دیا جاتا ہے، لیکن اسی طرح بخاری وہ کام نہ کرسکے جو امام احمد بن حنبل کی فقہ سے وجود میں آیا۔

---

(۱) الخیرات الحسان، ص ۳۳

امام مالکؒ کے ہاں فقہاء کا مقام اور اہمیت:

امام مالکؒ عام محدثین میں سب سے مقدم ہیں، جنہوں نے مؤطا لکھی اور جن کی مؤطا کے بارے میں خلیفہ عباسی منصور نے خود حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی تھی کہ اس کو کعبہ مقدسہ پر آویزاں کر دیا جائے تاکہ پوری ملت اسلامیہ اس کو دستور مانے تو امام مالکؒ نے کہا کہ نہیں، یہ کرنا درست نہیں ہے، یہ میری ایک کوشش ہے، میں امت کا ایک فرد ہوں، ایک مجتہد ہوں، اور بھی بہت سے علماء اور اصحاب اجتہاد ہیں، میری رائے ان پر تھوپی جائے، اور لازم کی جائے یہ خلاف انصاف ہے، اسلئے ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ تھا ان حضرات کا انصاف اور ان کی تواضع، کہ اپنے معاصر علماء کی رائے کا اس قدر احترام تھا، انہوں نے اپنی کتاب کو مملکت کا دستور نہیں بننے دیا، جب کہ وہ شیخ الامامین ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد محمد بن الحسنؒ، امام مالکؒ کے شاگرد اور امام شافعیؒ بھی ان کے شاگرد ہیں، اور دوسری طرف وہ شیخ الملوک بھی ہیں کہ ہارون الرشید کے دونوں صاحبزادے امین و مامون امام مالکؒ کے شاگرد ہیں، سلطنت کے بھی افراد امام مالکؒ کے شاگرد اور فقاہت کے بھی بڑے بڑے علمبردار امام مالک کے شاگرد ہیں، اور امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ کے معترف ہیں، سب ایک دوسرے کے معترف اور قدر و احترام کرنے والے۔

بہر حال ائمہ اربعہ کو اللہ تعالی نے ایسے تلانذہ عطا فرمائے جنہوں نے ان کے اقوال محفوظ رکھے، ان کے اصول محفوظ رکھے، قواعد مرتب کیے، ان سے سنی ہوئی احادیث مرتب کیں، مسائل مرتب کئے اور ان کے اصول کے مطابق مسائل کے جوابات دیئے، کتنی مضحکہ خیز بات کرتے ہیں جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کے پاس ستر احادیث تھیں، یہ ایک ایسی بچکانہ اور طفلانہ بات ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی کسی علمی مجلس میں اس کو ذکر کرے تو اس کی بدذوقی کی دلیل کے لئے یہ کافی ہے۔

حاملین علم کا ہمیشہ رویہ یہ رہا کہ انہوں نے علماء وفقہاء کے ادب کو ملحوظ رکھا، ان کے اختلافات کا تذکرہ بھی کیا تو ادب کے ساتھ کیا، ان کے مناقشات ومباحثات اور استناد کا تذکرہ کیا تو ادب کے ساتھ، علم کا ایک ادب ہوتا ہے، اسی نسبت سے صاحب علم کا ادب ہوتا ہے۔

سلفیوں کی حقیقت:

آج جو سلفی مسلک کی طرف اپنی نام نہاد نسبت کرتے ہیں اور اپنے کو سلفی کہتے ہیں اس کی کوئی دینی، علمی، تاریخی، اور قانونی اصلیت اور استناد نہیں، اس کے کوئی منضبط معنی نہیں ہیں، یہ ائمہ اربعہ سے فرار کی ایک ناکام ونامراد کوشش ہے، اور خود سلف کے طریقہ سے گریز کی علامت، کہ سلف میں کسی نے اپنے کو کبھی سلفی نہ کہا، ہاں اهل السنة والجماعة یا اهل القرآن یا اهل الحدیث کی اصطلاحات ضرور استعمال ہوئیں، لہٰذا یہ اصطلاح بے اصل اور غیر مستند ہے، اور اس دور کی ایک گمراہ کن بدعت ہے، محدثین کبار جو آج احادیث کی تحقیق میں مرجع ہیں اپنے کو سلفی نہیں کہتے، ابن حجر نے اپنے کو سلفی نہ کہا، عینی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، نووی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، عراقی نے اپنے کو سلفی نہ کہا، ابن دقیق العید نے اپنے کو سلفی نہ کہا یہ اصطلاح مبتدعانہ ہے، یہ نئی اصطلاح پیدا کی گئی ہے، نہ قرنِ اول میں یہ اصطلاح تھی، نہ قرن ثانی میں، نہ قرن ثالث میں، نہ کسی دور میں، یہاں تک کہ ''اہل الحدیث'' کی اصطلاح بھی عہد نبوی میں نہیں تھی، عہد نبوی میں حضور نے جو اصطلاح استعمال فرمائی بعض بعض موقعوں پر وہ اصطلاح ''اہل القرآن'' کی ہے، ترمذی میں حدیث آئی ہے وتر کے بیان میں کہ حضور ﷺ نے فرمایا! أوتروا یا أهل القرآن أوتروا یا أهل القرآن (۱)، حنین میں حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ سے کہا تھا آواز دو

(۱) سنن الترمذی فی الوتر، حدیث ۴۵۳

یا أهل القرآن، نسبت قرآن کی طرف تو حدیث میں ثابت ہے اگرچہ اہل القرآن کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل الحدیث نہیں اور اہل الحدیث کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل القرآن نہیں، لیکن کسی اصطلاح کو اپنے اوپر چسپاں کر لینا جب کہ وہ اپنے اوپر فٹ نہ ہوتی ہو درست نہیں، جس نے اپنے کو حنفی کہا اس نے صحیح کہا کیونکہ اس نے ابو حنیفہ - جو فقیہ و مجتہد تھے - کے مسلک اور اس کی تفصیلات، تخریجات اور تفریعات اور اجتہادات اور آراء محمودہ کا اتباع کیا، اس لئے اس نے اپنے کو تعارف کے لئے حنفی کہا، نہ کہ تفریق کیلئے، گویا اس نے یہ کہا کہ ابو حنیفہ نے جو مجتہدانہ کوششیں کی ہیں میں ان سے وابستہ ہوں، انہیں پسند کرتا ہوں کیوں کہ وہ حضور ﷺ کی احادیث کی بہترین تشریح پر مشتمل ہیں، اس لئے میں ان کو مانتا ہوں، اگر کسی جج کے پاس دو فریق اپنا مقدمہ لیجائیں تو اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ دوسرے جج کو وہ لازما غلط سمجھتے ہیں، دوسرا جج اپنی جگہ صحیح ہے، ایک جج آپ کے لئے متعین کر دیا گیا ہے اب آپ اس پورے کیس میں اس جج سے رجوع کرتے رہتے ہیں، دوسرا جج جس کو دوسرے نے اختیار کیا ہے، وہ اس کے لئے متعین کر دیا گیا ہے وہ اس سے رجوع کرتا ہے، جس طرح کسی ملک میں سپریم کورٹ آخری اتھارٹی ہوتی ہے، اسی طرح ملت اسلامیہ کے لئے ائمہ أربعہ اسلام کی سپریم کورٹ کی آخری اتھارٹی ہیں، وہ واضع قانون نہیں ہیں، قانون کے معتبر شارح و ترجمان ہیں، جن کو امت کے تمام علماء فقہاء اور محدثین نے تسلیم کیا ہے انہیں ائمہ کے متبعین کی کتابوں سے سلفی دلیل اخذ کرتے ہیں اور پھر اس کا وار خود انہیں کے خلاف کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (جن کی طرف نسبت کرنے سے سلفی نہیں چوکتے) فرماتے ہیں ”جو شخص بھی ائمہ اربعہ کی توہین کرے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے، یہاں تک کہ اگر ان سب سے کوئی اختلاف کر رہا ہے تو اغلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں وہ حق پر نہیں، ائمہ

اربعہ کی فقہ سے خروج کرنا اچھی علامت نہیں ہے اس میں خطرات بہت زیادہ ہیں، ان کی توہین و بے ادبی تو صرف زندیق ومنافق ہی کرتے ہیں، یا باطل فرقوں کے ایجنٹ، جو معاملہ شیعوں نے صحابہ کے ساتھ کیا، جو بھی یہ معاملہ ائمہ اور اولیاء اللہ کے ساتھ کرتا ہے وہ اصلا تشیع کی ذہنیت ومزاج رکھتا ہے، اور جو نحوست شیعوں کے ساتھ لگی ہے وہی نحوست ان بے ادب سلفیوں کے ساتھ بھی لگی ہے۔ جن فقہاء، صوفیاء اور اولیاء اللہ کا تذکرہ، ذہبی، سیوطی، ابن خلکان اور دیگر محقق ومورخ علماء کرام نے نہایت بلند الفاظ والقاب کے ساتھ کیا ہے اب جو شخص اس درجہ سطحیت اور چھچھورے پن پر اتر آئے کہ ان کے ساتھ بھی سب وشتم کرے، اس کی شقاوت وبدبختی میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے؟ امر واقعہ یہ ہے آج جن لوگوں نے امت کے کبار فقہاء، اولیاء اور امت کے مقبول علماء کی تضلیل وتکفیر کو اپنا پیشہ اور وطیرہ بنا رکھا ہے وہ اس دور کے خوارج ہیں، ہندوستان کے معتبر علماء اہل حدیث ان سے بری ہیں، ان کا موقف ہرگز یہ نہیں ہے۔ ابوداؤد کی شرح عون المعبود اور ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کے مصنفین، اہل حدیث علماء ہیں، یہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، ان کے خاندان، حضرت سید احمد شہید، اور ان کے خلفاء کے نہ صرف قائل بلکہ معتقد ومداح ہیں، انہیں کسی سے ہزار اختلاف سہی، لیکن تفسیق وتکفیر کی گند سے ان کی زبانیں اور قلم پاک ہیں۔ یہ علماء محدثین تھے وہ چاہے اپنے کو اہل حدیث کہتے ہوں یا کسی اور اصطلاح سے منسوب کرتے ہوں ہمیں ان کی قدر ہے، صاحب تحفۃ الاحوذی کو ہم ایک محدث جلیل مانتے ہیں، صاحب عون المعبود کو ایک محدث جلیل مانتے ہیں، جس طرح ہم صاحب بذل المجہود کو ایک محدث جلیل مانتے ہیں جس طرح صاحب الکوکب الدری کو ایک محدث جلیل مانتے ہیں اور صاحب اوجز المسالک کو ایک محدث جلیل مانتے ہیں، ہم یہ جانتے ہیں کہ علمی بحثوں میں ان کو وہ مقام حاصل ہے جو ان کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ علمی مناقشہ کریں، اسی طرح ہم ان تمام

حضرات کے بھی قائل ہیں جو اپنے بڑوں کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے علمی اختلاف، علمی ادب کے ساتھ پیش کرتے ہیں، رہ گیا وہ طبقہ جو آج کل کمینہ پن کی زبان اور تکفیر کے ہتھیار استعمال کررہا یہ اس دور کا خارجی طبقہ ہے اور ان کے بارہ میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ: **یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیة(۱)**۔ یہ دین سے اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے، اور فرمایا تھا: **لئن أدرکتھم لأقتلنھم قتل عاد وثمود (۲)**، اگر مجھے ایسے نابکار لوگ مل گئے تو میں انہیں اس طرح ماروں گا جس طرح قوم عاد اور قوم ثمود کو مارا گیا، لہذا جو ائمہ اجلہ، علماء عظام، اور اولیاء کرام کی بے حرمتی اور توہین کریں وہ مستحق سزا ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سے نفرت کریں اور ان کو ملت سے خارج سمجھیں، اور اللہ تعالی سے دعا مانگیں کہ اللہ تعالی امت کو ان کے فتنوں سے پناہ میں رکھے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

(۱، ۲) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، حدیث ۱۰۶۴

تاریخ اھل حدیث کے مصنف

مولانا حافظ محمد ابراہیم میر صاحب سیالکوٹی

کی کتاب کا درج ذیل اقتباس ضرور پڑھ لیں

فیض ربانی : ہر چند کہ میں سخت گنہگار ہوں، لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں، اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابوعبداللہ عبید اللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم محدث وزیر آبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچ چکی ہے کہ بزرگانِ دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعینؒ سے حسن عقیدت نزولِ برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے کوئی فیض اس ذرہ بیمقدار پر نازل کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لئے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں۔ اور حضرتِ امام صاحبؒ کے متعلق تحقیقات شروع کیں تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا، جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا۔ یکا یک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا، گویا "ظلمت بعضھا فوق بعضٍ" کا نظارہ ہو گیا۔ معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحبؒ سے بدظنی کا نتیجہ ہے، اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کئے۔ وہ اندھیرے فوراً کافور ہو گئے، اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آنحضرت صلعم سے خطاب کر کے فرماتا ہے "أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ" میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہشیاری میں دیکھ لیا، اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔ هذا والله ولي الهداية

خاتمة الكلام : اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں اور اپنے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگان دین سے خصوصاً ائمہ متبوعین ؒ سے حسن ظن رکھیں، اور گستاخی اور شوخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں۔ کیونکہ اسکا نتیجہ ہر دو جہان میں موجب خسران ونقصان ہے۔ "**نسئل الله الكريم حسن الظن و الأدب مع الصالحين و نعوذ بالله العظيم من سوء الظن بهم و الوقيعة فيهم فإنه عرق الرفض و الخروج و علامة المارقين و لنعم ما قيل**"۔

از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب محروم شد از لطفِ رب

خاکپائے علمائے متقدمین ومتأخرین حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

دیکھئے:- تاریخ اہل حدیث ص:۱۷-۲۷ ایڈیشن لاہور ۱۹۵۳ء